بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب حاکمیت توحید

اس باب میں مندرجہ ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔

① امر، حکم اور تخلیق میں اللہ کو اکیلا ماننا۔

② اللہ ورسول ﷺ کی طرف فیصلے لیجانا اور احکام شریعت پر رضامندی ایمان کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔

③ حکم اور قانون سازی میں کفریہ بنیادوں کے بارے میں قرآنی آیات اور علماء کے اقوال

④ حکام اور ان کے احکام کی اقسام؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کو تخلیق، امر اور حکم میں اکیلا ماننا

اللہ نے انسانوں کو اس صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کو ربوبیت الوہیت اور عبادت میں اکیلا تسلیم کیا جائے اسی فطرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لاَ تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لاَ یَعْلَمُوْنَ﴾ (روم: ۳۰)

اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

ما من مولود الا یولد..................ذالك الدين القيم. (بخاری۔مسلم۔ترمذی۔ابوداؤد۔احمد۔مالك۔ابوهريره رضی اللہ عنہ کی روایت هے)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح چوپائے کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی کن کٹا نہیں ہوتا۔ پھر رسول ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی **فطر الناس علیها**......

لوگ دس صدیوں تک صحیح فطرت اور خالص توحید پر قائم رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس فطرت کو تبدیل کر دیا لہٰذا اللہ نے انبیاء مبعوث فرمائے تا کہ ان کے لیے دین کی دوبارہ تجدید کریں اور ان پر اللہ کی حجۃ قائم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. ﴾(البقرہ:۲۱۳)

لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے ان کے ساتھ کتاب نازل کی حق کے ساتھ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں اختلاف کرتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ **ابن عباس** رضی اللہ عنہما **کا قول نقل کرتے ہیں کہ آدم** علیہ السلام **اور نوح** علیہ السلام **کے درمیان بیس صدیاں تھیں لوگ سب حق پر تھے مگر اس کے بعد انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء مبعوث فرما دیے**(صحیح سند کے ساتھ حاکم نے روایت کیا ھے) **۔ابن کثیر** رحمہ اللہ **کہتے ہیں لوگ آدم** علیہ السلام **کی ملت پر تھے یہاں تک کہ انہوں نے بتوں کی پوجا شروع کردی تو اللہ نے ان کی طرف نوح** علیہ السلام **کو بھیجا یہ پہلے رسول تھے جنہیں زمین والوں کی طرف بھیجا گیا**(ابن کثیر ۱/۳۷۴) **۔اللہ کے دین کے بارے میں یہ بات واضح اور معلوم ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک تھا البتہ عبادات ،اوامر اور نواہی کی تفصیلات میں شرائع مختلف تھیں انبیاء کے دین کی بنیاد کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:**

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ. (النحل:۳۶)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو ان سے کہتا کہ) اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔

ان انبیاء کی شریعتوں کے مختلف ہونے کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا. (مائدہ:۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور طریقہ بنایا ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

انا معشر الانبیاء واحد الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتی و دینهم واحد. (بخاری۔احمد۔ابن حبان)

ہم انبیاء کے گروہ ہیں ہمارا دین ایک ہے ہم سب (باپ کی طرف سے) سوتیلے بھائی ہیں مائیں الگ الگ ہیں۔

تمام انبیاء کی دعوت اس نکتے کے گرد گھومتی ہے کہ اللہ کو توحید اور عبادت میں اکیلا مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۞ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. (اعراف:۵۹)

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔

۞ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. (اعراف:۶۵)

قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ھود (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟

۞ وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. (اعراف:۷۳)

ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔

۞ وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ. (اعراف:۸۵)

مدین کو ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

۞ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ. (الانبیاء:۲۵)

تم سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں میری عبادت کرو۔

اللہ کی توحید بڑے اصولوں پر قائم ہے۔توحید ربوبیت اورتوحید الوہیت۔ان میں سے ہر ایک میں اسماء وصفات کی توحید داخل ہے۔توحید ربوبیت (جسے بعض علماء،توحید معرفت والاثبات یا توحید علمی الخبر ی بھی کہتے ہیں مگر الفاظ بدلنے سے مقصد پر اثر نہیں پڑتا) اس کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ اللہ پیدا کرنے والا۔رزق دینے والا۔زندگی اور موت دینے والا۔ملکیت اور تصرف میں اکیلا مانا جائے۔اس طرح ان افعال میں بھی اللہ کو اکیلا مانا جائے جو اس نے اپنے لیے مختص کیے ہیں مثلاً تشریع (قانون سازی) حکم امر نہی اور ملک کی تدبیر۔اللہ کا فرمان ہے:

قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ قُلۡ فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ. (مومنون:۸۴-۸۵)

کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ) زمین کس کی ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے؟ اگر تمہیں علم ہے؟ یہ کہیں گے (سب) اللہ کا ہے۔ ان سے کہہ دو تم نصیحت کیوں حاصل نہیں کرتے؟ کہہ دو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ یہ کہیں گے اللہ ان سے کہہ دو تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے پوچھو کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اس کے خلاف پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم جانتے ہو؟ یہ کہیں گے اللہ۔ ان سے کہہ دو تم پر پھر کیوں جادو کیا جاتا ہے؟ (تمہیں دھوکہ دیا جاتا ہے)۔

اللہ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کا اختیار اس کے پاس ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ، اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (الانعام:٥٧،یوسف:٤٠)

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ. (الانعام:٦٢)

صرف اسی کا حکم ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. (اعراف:٥٤)

سنو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ نے یہ بات تاکیداً بیان کی ہے کہ ہر بات اسی کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ. (شوریٰ:١٠)

جس میں تم اختلاف کرو اس کا حکم اللہ کی طرف ہے (صرف اللہ کا حکم ہی فیصلہ کن ہے)۔

اللہ نے یہ بھی بتلا دیا کہ حکم، امر اور تشریع میں وہ اکیلا ہے۔

وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا. (الکھف:٢٦)

وہ اپنے حکم میں کسی کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ذٰلِکُمْ بِاَنَّہٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ وَ اِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ. (غافر:۱۲)

جب ایک اللہ کو پکارا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو (کفر کرتے ہو) اور جب اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم مان لیتے ہو حکم صرف بلند اور بڑے اللہ کے لیے ہے۔

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ. (قصص:۸۸)

ہر چیز ختم ہونے والی ہے سوائے اس (اللہ) کی ذات کے سنو اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔

لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَۃِ وَ لَہُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ. (قصص:۷۰)

اسی کی حمد ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی (دینا و آخرت میں) اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ نے ہی لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے لیے کون سے قوانین مناسب اور بہتر ہیں۔

اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ ھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. (ملك:۱٤)

جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانے گا؟ حالانکہ وہ باریک بین باخبر ہے۔

اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ احکام صرف دو قسم کے ہو سکتے ہیں ایک اللہ کا حکم دوسرا جاہلیت کا تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ فرماتا ہے:

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ. (مائدہ:۵۰)

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم تلاش کر رہے ہیں اللہ سے بہتر حکم کس کا ہے یقین کرنے
والی قوم کے لیے۔

فرماتا ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا. (انعام:۱۱۴)

کیا اللہ کے علاوہ میں کوئی حکم کرنے والا ڈھونڈلوں حالانکہ اس نے تمہاری طرف
تفصیلی کتاب نازل کی ہے۔

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ امر تخلیق اور تشریع صرف اللہ کا حق ہیں اور وہی حقیقی شارع اور حاکم ہے تو پھر ہر وہ شخص جو خود کو یا کسی اور کو تشریع و قانون سازی کا حق دیتا ہے وہ اللہ کے ساتھ اس کی خاص صفات میں دوسرے معبود کو شریک کرتا ہے۔ایسا کرنے والوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ. (شوریٰ:۲۱)

کیا ان کے پاس ایسے (اللہ کے) شریک ہیں جو ان کے لیے دین کے وہ قوانین
بناتے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟

اللہ نے اس آیت میں ان لوگوں کو شریک کہا ہے جو لوگوں کے لیے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔اہل کتاب نے اپنے احبار و رہبان کو جب اللہ کے علاوہ رب بنایا تو اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

یُشۡرِکُوۡنَ. (توبۃ: ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں آتا ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے تو عدی نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا انہوں نے تمہارے لیے کچھ چیزیں حلال قرار نہیں دی تھیں جنہیں تم کھاتے تھے؟ اس نے کہا ہاں ایسا تو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے (ابن ماجہ۔ترمذی)۔ اللہ نے اپنی کتاب میں جو حکم نازل کیا ہے اسے ترک کرنے یا اللہ کے نازل کردہ کے بجائے کسی اور قانون کی طرف جانے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ. (مائدہ: ٤٤)

جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ. (مائدہ: ٥٠)

کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے ڈھونڈتے ہیں اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ؟ یقین کرنے والی قوم کے لیے۔

توحید الوہیت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ کو اطاعت اور عبادت میں اکیلا مانا جائے اور رسول کو

اتباع میں اکیلا تسلیم کیا جائے رسول ہی اللہ کی شریعت پہنچانے والا ہے۔اللہ نے اپنے بندوں پر جو اہم ترین چیز واجب کی ہے اور جس کے ذریعے سے یہ اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں وہ ہے اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنا اس کے احکام کی پیروی کرنا ہر چھوٹا بڑا فیصلہ اس کے حکم کے مطابق کرنا۔اور سب سے بڑا گناہ جسے قرار دیا ہے وہ ہے تشریع ،حکم اور تدبیر ملک میں اللہ کا شریک ٹھہرانا۔جب نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا یہ کہ تم اللہ کے شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی (اللہ) نے تمہیں پیدا کیا ہے(بخاری۔مسلم۔ترمذی۔نسائی۔احمد)۔اللہ کا فرمان ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ، اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ.(یوسف:٤٠)

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔

یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو احکام نازل کیے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کرنا سب سے بڑی اور اہم عبادت ہے۔اللہ نے حکمرانوں اور قاضیوں کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کیا کرو اور کفار و مشرکین کی خواہشات کی پیروی سے منع کیا ہے۔رسول ﷺ کو اللہ نے خطاب کیا جو کہ پوری امت کے لیے بھی حکم ہے کہ:

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ.(مائدہ:٤٩)

ان کے درمیان فیصلہ اس حکم کے مطابق کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اس بات سے بھی محتاط رہیں کہ یہ لوگ اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹا نہ دیں۔

داؤد علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا تھا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّـا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (ص:۲٦)

اے داوٗد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کریں خواہشات ک پیروی نہ کریں ورنہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

فیصلہ یا تو اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے نازل کیا ہے اور یا فیصلہ اس خواہش کے مطابق ہوتا ہے جس کی اللہ کے حکم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی بنیاد جس کلمے پر ہے وہ کسی ایسے شخص ،گروہ یا حکومت کا قبول نہیں ہوتا جو اللہ کے حکم اور قانون میں شرک کرتا ہے اور قرآن وسنت کے علاوہ کسی اور نظام حیات کو اپناتا ہے۔اللہ نے اپنی کتاب میں واضح کیا ہے کہ جس نے اپنے لیے یا لوگوں کے لیے ایسا قانون بنایا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے تو اس نے خود کو اللہ کی مخصوص ترین صفات میں شریک ٹھہرالیا اللہ کا فرمان ہے:

اَمۡ لَهُـمۡ شُـرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ‌ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ.(شوریٰ:۲۱)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے ایسے قانون بناتے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی اگر فیصلے کا وقت نہ ہوتا (قیامت آنے والی نہ ہوتی) تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

جو شخص لوگوں کے لیے کوئی فیصلہ کرتا ہے اور اس میں اللہ کے حکم کی پیروی نہیں کرتا تو وہ خود کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے۔اور جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو بھی قانون سازی کا حق

ہے تو یہ شخص اس کو اللہ کا شریک قرار دے رہا ہے چاہے یہ بات وہ زبان حال وفعل سے کہے یا زبان قال سے دونوں یکساں ہیں۔ یہ جو اللہ کے علاوہ قانون سازی ہے یہ خواہشات انسانی کی پیروی ہے یہ دراصل قدیم بت پرستی ہے جو جدید شکل میں نمودار ہوئی ہے اس لیے کہ یہ انسانی تقدیس اور انسان کی پرستش کی طرف رجوع ہے۔قدیم دور کی بت پرستی بھی غیر اللہ کی تقدیس کے ذریعے سے ہوتی تھی یا غیر اللہ کے قانون کی تحکیم کے ذریعے یا رسولوں کے ذریعے اللہ کے نازل کردہ شریعت کے متضاد قانون کے ذریعے سے جبکہ موجودہ دور میں جو ہم اس طرح کی صورتحال دیکھ رہے ہیں یہ بعینہ وہی قدیم بت پرستی کی جدید شکل ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر وہ نظام حکومت جس میں قانون اللہ کا ہو اور اول وآخر مرجع کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہو قولاً وعملاً تو یہ نظام حکومت اسلامی کہلاتا ہے۔اور ہر وہ نظام حکومت جو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر قائم ہو یا قرآن وسنت کے علاوہ کسی اور طریقے پر ہو وہ کفر کا نظام ہے اگر چہ اس کے بارے میں روزانہ ہزار مرتبہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ اسلامی نظام ہے تو یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی یہ مسئلہ فرق کرنے کی بنیاد ہے نظام اسلام اور جس میں اختیارات اور اہمیت کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کو حاصل ہوتی ہیں اور اس کفریہ نظام کے مابین جس میں اختیار انسانی قوانین کو حاصل ہوتا ہے اگر چہ اس قانون سازی میں اللہ کے حکم کی موافقت ہو یا مخالفت۔



اللہ ورسول ﷺ کی طرف فیصلہ لیجانا اوراحکام شریعت پر رضامندی ایمان کی شروط میں سے ہے

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تخلیق میں اکیلا ہے اسی طرح وہ امر، نہی اور تدبیر میں بھی اکیلا ہے۔ یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ جولوگ خود کو یا دوسروں کوتشریع وقانون سازی کا حق دیتے ہیں وہ اللہ کی مخصوص صفاتِ ربوبیت والوہیت میں شرک کے مرتکب ہورہے ہیں بلکہ اللہ کے اسماء وصفات اپنانے کی کوشش کررہے ہیں۔اس فصل میں ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ کے حکم پر رضامندی اس کی شریعت کی طرف فیصلہ لیجانے اورتوحید ربوبیت والوہیت اور نبی ﷺ پر ایمان ان سب کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے؟

اللہ کے حکم پر راضی ہونے کا ربوبیت سے تعلق

اللہ کے احکام پر رضامندی اوراس کے احکام کے مطابق فیصلہ ایمان کی شروط میں سے ہے۔ یہ ایسا اصول ہے کہ اس کے بغیر ایمان صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔اللہ کو تسلیم کر لینے سے انسان پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے فیصلوں اور مقرر کردہ تقدیر اس کی شریعت واحکام پر راضی رہے۔اس لیے کہ تخلیق اور امر ربوبیت کی اہم ترین خصوصیت ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ. (اعراف:٥٤)

باخبر رہو کہ اسی (اللہ) کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام سے رب کے بارے میں سوال کیا کہ:

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى. (طٰه:٤٩)

تمہارا رب کون ہے؟

تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

رَبُّنَا الَّذِىٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى. (طٰه:٥٠)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز پیدا کی اور پھر اس کی رہنمائی کی ہے۔

اللہ نے ہی تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے لہٰذا شریعت و ہدایت اور احکام بھی وہی دے گا۔ رب کی صفت ابراہیم علیہ السلام نے یوں بیان کی ہے:

الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ. (شعراء:٧٨)

جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہی مجھے ہدایت دے گا۔

انسانیت کی تاریخ کے مختلف ادوار میں جب بھی کسی نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے تو تخلیق، موت، زندگی یا تدبیر دنیا کا دعویٰ بہت کم کسی نے کیا ہوگا ورنہ زیادہ تر لوگوں نے امور شرعیہ میں خدائی کے دعوے کیے ہیں جیسے فرعون نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا:

مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَ مَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ. (غافر:٢٩)

میں تمہیں وہی سمجھاتا ہوں جو خود سمجھتا ہوں اور میں تمہیں صرف ہدایت کا راستہ ہی دکھاتا ہوں۔

سابقہ امتوں نے اپنے انبیاء کی دعوت بھی اسی وجہ سے ٹھکرائی تھی کہ ان کے خیال میں انبیاء کی دعوت ان سے باپ دادا سے منقول چلے آنے والے دستور اور قانون کو چھڑاتے تھے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اٰبَآئَنَا . (بقرہ: ۱۷۰)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (دین) کی پیروی کرو تو یہ کہتے ہیں ہم تو اس کو مانیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد (کو عمل کرتے) پایا ہے۔

قدیم وجدید جاہلیت میں کتنی مماثلت ومشابہت پائی جارہی ہے؟ جدید تہذیب کہیں یا جاہلیت اس نے کتنے مقامات پر اللہ کے احکام وشرائع میں اللہ سے تنازع کیا ہے جس طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھا جائے فرعون کی طرح بہت سے الٰہ نظر آئیں گے جو خود کو قانون بنانے کا اہل قرار دیتے ہیں اور فرعون ہی کی طرح لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صحیح راستہ دکھا رہے ہیں اور ہم جو بہتر سمجھتے ہیں تمہیں وہی بتاتے ہیں۔ جدید جاہلیت میں آخری فیصلہ قوم کے (لوگوں) کا ہی ہوتا ہے ۔ جس چیز کا فیصلہ قوم (اسمبلی) جو فیصلہ کرلے وہ ہر حکم اور فیصلہ سے بڑھ کر ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے بھی۔ یہی نظام اسلام کے دعویدار بہت سے ممالک میں رائج ونافذ ہے۔ حالانکہ وہ کفریہ جمہوریت یا اشتراکیت پر ہی اعتماد کرتے ہیں اور دن رات یہی راگ الاپتے ہیں کہ جمہوریت یا اشتراکیت کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ اللہ اور اس کے دین کا صریح انکار ہے۔ توحید ربوبیت صرف اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جب اللہ کو تخلیق اور امر میں اکیلا مانا جائے اور اسی کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے اسی کے قانون کو تمام قوانین سے بالاتر مانا جائے۔ حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کہا ہو اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔ جو شخص اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کو انسانوں کے لیے جائز سمجھے وہ کافر مشرک ہے وہ اللہ کی خاص ترین صفات اس سے چھیننا چاہتا ہے۔ اللہ نے یہود کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر علماء درویشوں کو رب بنالیا ہے۔

یہ رب بنانا اس طرح نہیں تھا کہ یہ لوگ علماء کو خالق۔ رازق یا زندگی اور موت کا مالک مانتے تھے بلکہ انہوں نے ان علماء کو حلال وحرام قرار دینے کا مجاز مان لیا تھا انہیں قانون ساز تسلیم کرلیا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ ان کو انہوں نے رب بنالیا ہے (توبة: ۱۳)۔ اللہ کو رب ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حاکمیت کو تسلیم کرلیا جائے اور اس کے قانون کو تمام قوانین پر فوقیت دی جائے۔ اس کے ان احکامات کو مطلقاً مان لیا جائے جو اس کے رسول لائے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کے اس دین کے پاس فیصلے لیجائے جائیں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے اور اس تسلیم میں شک وتردد نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے تحلیل وتحریم کو اپنے لیے جائز ماننے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور رب کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور وں کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَ كُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلاَ تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلاَ تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ. (انعام: ۱۵۰)

کہہ دیجئے اپنے گواہوں کو بلاؤ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے اگر یہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کا یہ حکم ان لوگوں کے خلاف ہے جو حق حاکمیت کو غصب کرتے ہیں اور اسے قانون سازی کا نام دیتے ہیں ان کے اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ وہ جو قانون بنارہے ہیں وہ اللہ کی شریعت کا ہی حصہ ہے اس لیے کہ اس

معاملے میں اللہ کے حکم کے بعد کسی کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اگر ہم یہ سوچیں اور غور کریں کہ اللہ نے یہ حکم ان پر کیوں لگایا ہے؟ ان کو آخرت کے منکر اور اللہ کے ساتھ برابری پیدا کرنے والا کیوں قرار دیا ہے تو ہمیں سمجھ آجائے گا کہ ہر مسلمان پر اللہ کے احکام اور شریعت کو ماننا لازم ہے۔ جو لوگ خود قانون بناتے ہیں (اگر چہ اسے اسلامی قانون کہیں) اللہ نے ان کو اپنی آیات کے جھٹلانے والے قرار دیا ہے اس لیے کہ اللہ کی آیات اگر آیات سے مراد کونیہ ہو سب کی سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں وہی اللہ اکیلا خالق اور مالک ہے لہٰذا وہ اکیلا ہی حاکم اور متصرف بھی ہے جو شخص اللہ کو حاکمیت میں اکیلا نہیں مانتا وہ اس کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔اور اگر آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں تو پھر وضاحت وصراحت کے ساتھ یہ بات ان آیات سے ثابت ہے کہ انسان پر اپنی زندگی میں اللہ کو حاکمیت میں اکیلا ماننا واجب ہے۔اور اسی کی شریعت کو قانون کے طور پر اپنانا لازم ہے۔اور اسی کی شریعت اور احکام کی پیروی ان پر واجب ہے۔ان لوگوں پر اللہ نے یہ حکم لگایا ہے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اس لیے کہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہو اپنے رب سے ملاقات پر یقین رکھتا ہو وہ کبھی بھی اللہ کی الوہیت میں سرکشی نہیں کرسکتا کبھی بھی خود کو قانون ساز نہیں کہہ سکتا یہ جانتے ہوئے کہ قانون بنانا صرف ایک اللہ کا حق ہے۔انسان کی زندگی میں حاکمیت کا حق صرف اللہ کو ہے یہ حاکمیت جس طرح قضاء وقدر میں ہے اسی طرح شریعت وحکم میں بھی ہے۔پھر آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں یعنی اللہ نے ان کی وہ صفت بیان کی جو اس نے کافروں کی بیان کی ہے۔اگر یہ لوگ موحد ہوتے تو کبھی بھی حاکمیت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے جو کہ صرف اللہ کا ہی حق ہے۔نہ ہی کسی بندے کے اس دعوائے قانون سازی کو قبول کرتے اور نہ ہی اس حق کے استعمال کرنے پر راضی ہوتے (فی ظلال القرآن:۳/۱۲۲۸)۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللهِ. (شوریٰ:۱۰)

جس میں تم اختلاف کر بیٹھو اس کا فیصلہ اللہ کے پاس لیجاؤ۔

شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ لوگ جس مسئلے میں اختلاف کریں اس کا فیصلہ صرف اللہ کے حکم سے کروائیں کسی اور کے پاس نہ جائیں یہ بات بہت سی آیات میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی۔ اسی طرح وہ آیات بھی کثیر تعداد میں ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ غیر اللہ کے قوانین کی اتباع کفر ہے جیسا کہ فرمان ہے:

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ. (نحل:۱۰۰)

اس (شیطان) کا غلبہ صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور جو لوگ (اللہ) کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (انعام:۱۲۱)

اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو تم مشرک ہو گے۔

فرماتا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ. (یٰسین:۶۰)

اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرو۔

اس قسم کی آیات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جب آیات کونیہ، احکام شرعیہ اور قانون بنانا صرف ایک اللہ کی ربوبیت کی خصوصیات ہیں جیسا کہ آیات سے ثابت ہو چکا ہے تو پھر اللہ کے قانون وشریعت کے علاوہ کسی اور کے قانون کی پیروی کرنا اس قانون ساز کو رب بنانا اور اسے اللہ کے

ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔بہرحال اللہ کی شریعت کے مقابلے پر یا شریعت کے مخالف قانون کی پیروی اللہ کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ.(انعام:۱۳۷)

بہت سے مشرکوں کو ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل مزین کر دیا ہے۔

اللہ نے انہیں اس وجہ سے مشرک کہا ہے کہ انہوں نے قتلِ اولاد میں ان کی اطاعت کی (اضواء البیان للشنقیطی رحمہ اللہ:۷/۱۳۶-۱۳۷)۔

اللہ کے حکم پر راضی ہونا اس کی شریعت سے فیصلے کرانا اوران باتوں کا اسلام پر راضی ہونے سے کیا تعلق؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (لفظ) اسلام میں یہ بات داخل ہے کہ ایک اللہ کو مانا جائے۔جو شخص اللہ کو مانتا ہے مگر ساتھ ہی کسی اور کی بھی پیروی کرتا ہے وہ مشرک ہے جو اللہ کے آگے جھکتا نہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر کرنے والا ہے۔اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا اوراس کی عبادت سے تکبر کرنے والا کافر ہے۔ایک اللہ کو تسلیم کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے اس اکیلے کی اطاعت کی جائے یہ ہے وہ دین اسلام جس کے علاوہ کسی اور دین کو اللہ قبول نہیں کرتا اس دین سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے اور جب بھی کوئی حکم مل جائے اسے مان لیا جائے (مجموع الفتاوی:۳/۹۱)۔دین اسلام ان عقائد، احکام شرائع اورآداب کا نام ہے جو محمد ﷺ اپنے رب کی طرف سے لائے ہیں اسی بات کو اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ.(آل عمران:۱۹)

اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

یہی بات اللہ نے اس آیت میں بھی بیان کی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (مائدہ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین چن لیا ہے۔

دین پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جناب محمد ﷺ جو غیبی عقائد، تعبدی شعائر، شرعی احکام اور معاشرتی وسیاسی احکام لائے ہیں ان کو پسند کرنا ان پر راضی ہونا ان میں کوئی فرق نہیں سب اللہ اللہ کی طرف سے ہیں جو اللہ یہ حکم دے رہا ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ. (بقرہ:۴۳)

نماز قائم کرو زکاۃ ادا کرو۔

وہی اللہ یہ بھی فرما رہا ہے:

وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (بقرہ:۲۷۵)

اللہ نے خرید وفروخت حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اسی اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ. (نور:۲)

زانی مرد اور زانی عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

وہی اللہ یہ فرما رہا ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْآ اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالاً مِّنَ

اللّٰہِ. (مائدہ:۳۸)

چورمرد چورعورت کے ہاتھ کاٹ دوان کے لیے کی سزا کے طور پر یہ اللہ کی طرف سے سزاء ہے۔

وہی اللہ یہ بھی فرمارہا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوا الْیَھُودَ وَ النَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ. (مائدہ:۵۱)

ایمان والو، یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جوانمیں سے کسی کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔

جواللہ یہ بھی فرمارہا ہے:

وَ اَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلاَ تَتَّبِعْ اَھْوَآئَھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ. (مائدہ:۴۹)

ان کے درمیان اس (دین) کے مطابق فیصلہ کریں جواللہ نے نازل کیا ہے آپ پر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں ان سے محتاط رہیں کہ کہیں آپ کو اس (دین) سے ورغلا نہ دیں جواللہ نے آپ پر نازل کیا ہے۔

یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اوراس دین کا حصہ ہے جواللہ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے دین اسلام پر ایمان اوراسے پسند کرنے کا تقاضا ہے کہ بلاتفریق اللہ کے تمام احکام پر رضامندی ظاہر کی جائے (انہیں اپنایا جائے) اگرچہ خواہشات کے خلاف ہو۔ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے دین پر راضی ہونے کا اوراسے پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کوئی حکم کرے کوئی کلام ہواس کا یا منع کرے تو ان سب کو تسلیم کرے اور دل میں اس حکم سے

متعلق کوئی تنگی نہ رہے اسے مکمل طور پر اپنائے اگر چہ دلی خواہشات کے خلاف ہو یا اپنے امام، شیخ اور گروہ کے خلاف ہو(مدارج السالکین شرح منازل السائرین:۲/۱۱۸)۔

اسلام کو دین کے طور پر اپنانے کا معنی یہ ہے کہ ان تمام احکامات وتشریعات اور آداب کو ماننا جو اللہ نے قرآن میں نازل کیے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ کی قولی یا فعلی سنت سے ثابت ہیں اور یہ کہ جو شخص قول یا فعل سے اللہ کی شریعت کو قبول کرنے سے انکار کردے یا اسے ردّ کردے یا کسی ایک حکم کو ردّ کردے تو وہ دین اسلام کا (ماننے والا نہیں بلکہ) منکر ہے۔ اگر چہ مسلمان کہلائے ایسے اس کے ظاہری اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا مثلاً نماز۔ روزہ حج وغیرہ اس لیے کہ اسلام کی کچھ بنیادیں ہیں جن کے بغیر اللہ کے ہاں اسلام قبول نہیں ہوتا۔ ان اہم اصولوں میں سے ایک ہے اللہ کے احکام، دین اور شریعت پر راضی ہونا انہیں پسند کرنا۔ کوئی بھی گروہ، قوم یا معاشرہ اگر ان کو ردّ کردے گا انہیں اپنی زندگی میں لاگو نہیں کرے گا اپنی زندگی کے ہر ہر شعبے میں اسے نافذ نہیں کرے گا تو یہ اس کی طرف سے اس بات کا واضح اعلان تصور کیا جائے گا کہ وہ دین اسلام کو پسند نہیں کرتا اللہ کے دین کو پسند کرنے اور اس پر ایمان کی واضح دلیل ہے اس شریعت کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا۔ جب بھی کسی قوم میں اللہ کی شریعت نہیں پائی جائے گی جب ان کی زندگی میں اس کا دین غالب نہیں ہوگا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہوگی کہ ان لوگوں نے اللہ کے دین کو چھوڑ دیا ہے چاہے وہ اس کا اظہار زبان حال سے کریں یا زبان قال سے، زبان حال زبان قال سے زیادہ قوت رکھتی ہے۔

❁❁❁❁❁

اللہ کے حکم وشریعت پر رضا مندی کا نبی ﷺ پر ایمان سے کیا تعلق؟

یہ بات بداھتاً دین سے ثابت ہے کہ دین اسلام میں داخل ہونے کا صحیح راستہ ہے اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ پر ایمان لانا اس لیے کہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دی جائے (درآں حالیکہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہو۔اسی لیے جس نے شہادتین کا اقرار نہیں کیا یا دونوں میں سے ایک کا نہیں کیا ایک کا کرلیا تو وہ مسلمان نہیں ہے سوائے اس صورت کے وہ اس اقرار کی قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً گونگا ہو یا تلفظ کی ادائیگی (بوجہ عربی حروف سے ناواقفیت) نہ کرسکتا ہو۔جو علماء کہتے ہیں کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کی گواہی سے مسلمان ہو جاتا ہے وہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت پر دلالت کرتا ہے اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت محدثین ،فقہاء اور متکلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مومن جس پر اہل قبلہ ہونے کا حکم لگتا ہو اور جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہو کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اس سے مراد صرف وہ مومن ہے جس نے دل سے اسلام کا پختہ عقیدہ رکھا ایسا عقیدہ جو شکوک سے پاک ہو اور اس نے شہادتین کا اقرار بھی کیا ہو۔اگر ان دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفا کر چکا ہو تو وہ سرے سے اہل قبلہ ہی نہیں ہے۔البتہ جو آدمی زبان کی خرابی کی وجہ سے شہادتین کا اقرار نہ کرسکتا ہو یا موت جلد آجانے کی وجہ سے اس کو موقع نہ مل سکا ہو یا کسی اور وجہ سے اقرار نہیں کرسکا تو (وہ مستثنیٰ ہے) وہ مومن شمار ہوگا اور اگر کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ پر ہی اکتفا کرتا ہے اور محمد رسول اللہ کا اقرار نہیں کرتا تو ہمارے اور علماء کے مذہب میں مشہور قول یہی

ہے کہ ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی کہتے ہیں کہ مسلمان تو ہے البتہ اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ محمد رسول اللہ کی شہادت بھی دے اگر اس نے انکار کردیا تو مرتد ہے اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے لی جاتی ہے جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے حکم ملا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں جب یہ کہہ دیں تو مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچالیں گے مگر اس کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے (بخاری۔مسم۔نسائی)۔

جمہور کے نزدیک یہ حدیث شہادتین کے اقرار پر محمول ہے (یعنی صرف لا الٰہ کے ذکر سے پورا کلمہ شہادت مراد ہے) ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر ضروری نہیں ہوتا اس لیے کہ دونوں باہم مربوط و مشہور ہیں (شرح مسلم للنووی: ۱/۱۴۹) ۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ورسول ہونے پر رضامندی کی حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی خبروں کی تصدیق کی جائے انہیں قبول کیا جائے ان کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے اور ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت سے ہی فیصلے کرائے جائیں اب جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت واحکام کو قبول نہ کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی رہنمائی کے بجائے کہیں اور سے رہنمائی لیتا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو پسند نہیں کرتا یا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے ان پر ایمان لانے والا شمار نہیں ہوگا۔امام ابن قیم رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مکمل اطاعت کی جائے انہیں اس طرح تسلیم کیا جائے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ انہیں اہمیت دی جائے ہدایت صرف انہی کے دیئے ہوئے کلمات (احکام) سے لی جائے فیصلہ صرف انہی کی طرف لیجایا جائے ان کے حکم کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ان کے علاوہ کسی کے حکم کو پسند نہ کیا جائے نہ رب

کے اسماء میں نہ صفات وافعال میں نہ دیگر امور مثلاً ایمان کے حقائق و،متعلقات میں نہ احکام ظاہری وباطنی میں نہ ان معاملات میں کسی اور کے حکم کولیا جائے صرف محمد ﷺ کے حکم کو ہی اپنایا جائے(مدارج السالکین شرح منازل السائرین لابن قیم رحمہ اللہ: ۲/۱۱۸)۔نبی ﷺ کی شریعت کو اپنانے اورآپ ﷺ کی شریعت ہی ایمان کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جب تک کوئی شخص محمد ﷺ کو فیصلہ کرنے والا آپ ﷺ کی شریعت کو ہر معاملے میں فیصلہ کن نہ مان لے وہ مومن نہیں ہوسکتا اور پھر آپ ﷺ کی شریعت کو ہر معاملے میں فیصلہ کن نہ مان لے وہ مومن نہیں ہوسکتا اور پھر آپ ﷺ کے فیصلے اور شریعت سے اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کرے بلکہ اسے دل وجان سے تسلیم بھی کرے:

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا.(نساء:٦٥)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے اپنی مقدس ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک رسول ﷺ کوتمام امور میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لے جو فیصلہ رسول ﷺ کردیں وہی حق ہے اس کی ظاہری وباطنی طور پر اتباع کرنا ضروری ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا.(نساء:٦٥)

اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اوراس فیصلے کومکمل طور پر تسلیم کرلیں۔

یعنی جب آپ کو فیصلہ کرنے والا مان لیں اور ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر بھی آپ کی اطاعت کرلیں تو اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے تنگی محسوس نہ کریں اوراسے بغیر کسی رکاوٹ

وتردد کے قبول کرلیں کسی قسم کی مخالفت نہ کریں۔جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به.

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہوجائیں۔

(تفسیر ابن کثیر:۷۸۷/۱۔بھیقی۔طبرانی۔ابن ابی عاصم فی السنة۔ابن بطی فی الأبانة۔ قاسم بن عساکر فی طرق الاربعین سب نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ھے الفاظ بھیقی کے ھیں)

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے ان لوگوں کے ایمان کی نفی کی ہے جو اپنے امور میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے والا تسلیم نہیں کرتے اور یہ نفی تاکیداً کی ہے کہ قسم کھا کر حرف نفی ذکر کیا ہے۔

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا.(نساء:۶۵)

تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک اپنے اختلافی معاملات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر آپ کے فیصلے سے یہ اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اسے مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔

اللہ نے صرف اسی بات کو کافی نہیں سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے والا تسلیم کرلیں بلکہ یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دل میں اس فیصلے سے تنگی محسوس نہ کریں: ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. بلکہ اسے شرح صدر کے ساتھ بغیر کسی ترشی وتنگی کے قبول کریں۔پھر ان دونوں باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تسلیم کرنا اور ان کے حکم کو تسلیم کرنا ضروری و

لازمی قرار دیا ہے۔ تسلیم کرنے کا مطلب ہے آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت اس طرح کرنا کہ دل ہر قسم کی دیگر اطاعتوں سے خالی ہو اور اس حق کو مکمل طور پر اپنا لیا جائے۔ اسی لیے اللہ نے اس کے لیے تاکیدی الفاظ استعمال کیے ہیں کہ تسلیم کرنا نہیں بلکہ مکمل و مطلق تسلیم کرنا مراد ہے (رسالہ تحکیم القوانین لمحمد بن ابراهیم آل شیخ رحمہ اللہ: ٦/٨)۔

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: مسلمانو، اپنے تمام ممالک میں نظر دوڑا کر دیکھ لو تمہارے استعماری دشمنوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے کہ مسلمانوں پر ایسے قوانین مسلط کر دیئے ہیں جو گمراہی، بداخلاقی اور بے ادبی پھیلانے کا سبب ہیں یہ قوانین ہیں انگریز کے قوانین جن کی بنیاد کسی شریعت و دین پر نہیں ہے۔ بلکہ ان اصولوں پر ان کی بنیاد ہے جو ایسے کافر نے وضع کیے تھے جس نے اپنے وقت کے نبی جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا اور اپنی بت پرستی پر ہی برقرار رہا اور فسق و فجور کا مرتکب بنا رہا اس آدمی کا نام گوڈستنیان تھا جو ان قوانین کا موجد ہے مصر کے ایک نام نہاد مسلمان نے جو مصر کے اہم ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا اس نے اس فاسق فاجر گوڈستنیان کے بنائے ہوئے قوانین کا عربی میں ترجمہ کیا اسے گوستنیان کا مدونہ قرار دیا اور امام دارالہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب جو کہ قرآن وسنت کے دلائل پر مبنی فقہی مسائل سے متعلق تھی اس کا مذاق اڑایا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ آدمی کتنا جھوٹا ہے ۔بلکہ بے شرم و جاہل ہے مسلمانوں پر ایسے دشمنان اسلام نے جو قوانین مسلط کیے ہوئے ہیں وہ دراصل ایک علیحدہ دین ہے جو دین اسلام کے متبادل کے طور پر مسلمانوں کو تھما دیا گیا ہے ان دشمنوں نے مسلمانوں پر (قوانین کے نام پر) اس دین کی اطاعت واجب قرار دیدی ہے اور اس کی محبت اور تقدس ان کے دلوں میں بٹھا دیا ہے مسلمانوں کو اس کے تحفظ کا پابند کر دیا گیا ہے اسی لیے تو اکثر تحریری و زبانی طور پر لوگوں سے اس قانون کے احترام کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے مثلاً

عدالت کا احترام یا (توہین عدالت کا قانون) حالانکہ اس طرح کے تقدیسی الفاظ شریعت اسلامی کے لیے استعمال نہیں کرتے نہ ہی مسلمان فقہاء کی آراء کے لیے ایسے الفاظ ادا کرتے ہیں بلکہ شریعت یا اقوالِ فقہاء کو تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جمود کا شکار ہیں، رجعت پسند ہیں یا کہتے ہیں کہ ان باتوں کا اب دور گزر چکا ہے جیسا کہ آج کل بہت سے رسائل و جرائد میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بت پرست کے پیروکار کن کن الفاظ والقاب سے شریعت اسلامی کا تذکرہ کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ لوگ ان انگریزی قوانین کو فقہ و شریعت قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ لفظ صرف شریعت اسلامیہ کے لیے مستعمل ہیں اس سے بھی بڑھ کر ان کی جراءت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ لوگ ان خودساختہ قوانین کا موازنہ شریعت اسلامیہ سے کرنے لگے ہیں۔ یہ جو نیا قانون اور قواعد وضوابط ہیں جن سے مسلمان اپنے فیصلے کرواتے ہیں اور اکثر مسلم ممالک میں رائج ہیں اگر کبھی ان کے کچھ قوانین شریعت اسلامی کے ساتھ موافقت بھی رکھتے ہوں تو پھر بھی یہ قانون باطل ہے اس کو اپنانا (شریعت سے) بغاوت ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے جو قانون شریعت کے مطابق اگر آ بھی جائے تو وہ اتفاقاً ایسا ہوتا ہے باقاعدہ شریعت کی اتباع کرتے ہوئے نہیں بنایا گیا ہوتا ہے نہ ہی اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے یا اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے بنایا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا خودساختہ قانون چاہے شریعت کے موافق یا مخالف ہو دونوں صورتوں میں گمراہی ہے اور اس کی پیروی کرنے والا جہنم میں جائے گا کسی مسلمان کے لیے اس کی اطاعت واتباع اور اس پر راضی ہونا جائز نہیں ہے (عمدة التفسير مختصر ابن كثير لاحمد شاكر ٣/ ٢١٤-٢١٥)۔

یہ تمام گزشتہ تفصیلات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص اللہ و رسول کے پاس فیصلہ نہیں لیجاتا یا اللہ و رسول ﷺ کے فیصلے اور حکم کو پسند نہیں کرتا بلکہ کسی اور کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو یہ شخص نہ اللہ کو رب مانتا ہے نہ اسلام کو دین مانتا ہے نہ محمد ﷺ کو رسول مانتا ہے یہ مومن نہیں

ہے۔

حکم وتشریع کے معاملے میں کافر بنانے والی بنیادیں کون سی ہیں اس بارے میں قرآن سے اور علماء کی آراء سے دلائل؟

گذشتہ فصل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ دین کی بنیاد واساس اللہ ورسول ﷺ کے حکم پر رضامندی ہے جس کا مظاہرہ اسلام کے تمام احکام پر عمل کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص اللہ ورسول کے پاس فیصلہ نہیں لیجاتا یا ان کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا یعنی کسی اور کا حکم یا فیصلہ مانتا ہے تو اللہ کی مخصوص ترین صفات ربوبیت والوہیت اور اس کے اسماء وصفات میں اللہ کی مخالفت بلکہ مقابلہ کرتا ہے۔ یہ بھی ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ اللہ کو رب ماننے، محمد ﷺ کو رسول ماننے اور اسلام کو دین ماننے کا تقاضا ہے کہ اس کے نزدیک اول وآخر مرجع صرف اللہ کا دین ہو اگر کوئی شخص اس بات کا التزام نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔اس لیے کہ اسلام کا معنی ہے اللہ کے احکام کو تسلیم کرنا اس کے حکم اور فیصلے پر راضی ہونا جو شخص اللہ کے حکم اور دین کو تسلیم نہیں کرتا وہ مشرک منکر ہے۔ہم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہر وہ جماعت، گروہ اور تنظیم، جس کا مرجع اول وآخر صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ اللہ کا منکر رسول اور دین کا منکر کافر ہے۔ باوجودیکہ یہ سب کچھ کتاب اللہ میں مذکور ہے اور ہم نے اس کی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے پھر بھی اس دور میں ایسے گمراہ اور درباری مولوی وعلماء دیکھے ہیں جو اس بات پر ہم سے جھگڑتے ہیں بلکہ حکم بغیر ما انزل اللہ کے بارے طواغیت کے لیے عذر تلاش کرتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ بعض شرعی دلائل کی گردنیں مروڑ کر ان میں غلط تاویلات کر کے انہیں غلط مقامات پر استعمال کر کے ان طواغیت کے عمل کے لیے جواز فراہم کریں۔ان میں سے علماء

کہلانے والے اور طواغیت کی دوستی سے عہدے حاصل کرنے والوں کی بڑی تعداد ہے جو وزارت اوقاف ،ادارہ فتوی والارشاد میں عہدوں پر براجمان ہیں اور طواغیت کے احکام کو شرعی رنگ دیتے ہیں ان میں سے بعض لوگوں کو وہی غلط فہمی ہوئی ہے اس شبہے میں گرفتار ہوئے ہیں جو جہمیہ کو شبہ ہے کہ صرف وہ آدمی کافر ہے جو کفر یہ فعل وقول کے ساتھ ساتھ دل سے بھی کفر کرے ۔یہ لوگ کفر صرف دل کے کفر کو کہتے ہیں ۔ہم نے ان لوگوں کی گمراہی اور ان کے عقیدے کا بطلان اس کتاب کے دوسرے باب میں واضح کر دیا ہے ۔کبھی ان لوگوں کو مرجئہ کا شبہ بھی ہو جاتا ہے جو ایمان کو صرف شہادتین کے اقرار کو کہتے ہیں اس کے نواقض کی نفی کا اعتبار نہیں کرتے ۔ یہ دونوں فرقے جو مرجئہ کی رائے رکھتے ہیں وہ بھی اور جو جہمیہ کی رائے رکھتے ہیں دونوں باطل عقیدے پر ہیں دونوں کی رائے غلط ہے ۔ہم نے مرجئہ کے مذہب کا بطلان اس کتاب کے دوسرے باب میں بیان کر دیا ہے ۔اگر معاملہ یہاں تک رہتا پھر بھی کوئی بات نہ تھی اب تو یہ اتنے دور نکل گئے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خوارج قرار دیتے ہیں جو بغیر ماانزل اللہ حکم کرنے والے طواغیت کو کافر کہتے ہیں ۔حالانکہ خوارج تو مسلمانوں کو صرف معصیات پر ہی کافر کہتے ہیں (جبکہ طاغوت کو کافر کہنے والے ایسے نہیں ہیں وہ صرف بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کرنے والوں کو کافر کہتے ہیں) یہ ان لوگوں کی جہالت اور ظلم ہے ۔ہم ان شاء اللہ ثابت کر دیں گے کہ انھوں نے بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کرنے والوں کی تکفیر پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ غلط ہیں اور اس تکفیر پر اجماع ثابت کریں گے ۔ہم اس فصل میں ادلہ شرعیہ اور اہل علم کی آراء کی روشنی میں یہ ثابت کریں گے کہ جو کچھ ہم نے سابقہ فصل میں بیان کیا ہے وہ صحیح ہے ۔ہم اپنی بات کی تائید میں قرآنی دلائل بھی پیش کریں گے اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کے ان شبہات کا بھی ازالہ کریں گے جن کی بنیاد پر وہ ان صریح دلائل سے استدلال کرنے میں غلط فہمی اور شبہات کا شکار ہیں ۔

مفتی اور فیصلہ کرنے والے کے لیے واقعے کو سمجھنا کتنا ضروری ہے؟

دلائل سے بحث کرنے سے قبل ہم ایک اہم امر کی طرف توجہ مبذول کروانا ضروری سمجھتے ہیں جس کا اس مسئلے سے گہرا تعلق ہے اور وہ امر ہے واقعہ کو سمجھنے سے متعلق ۔اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم ،مفتی ،اور داعی صورتحال سے مکمل واقفیت حاصل کیے بغیر اپنی رائے دیدیتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ حقیقت کتنی ہے اور اس میں لوگوں نے جھوٹ کتنا داخل کر دیا ہے اور اپنے مطلب ومرضی کا فتویٰ حاصل کرنے کے لیے علماء ومفتیان کرام کے سامنے سوال کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے؟ تاکہ ان کے غلط مقاصد کی تکمیل کے لیے معاون فتوی حاصل کیا جاسکے اور اسلام کی بنیادیں منہدم کی جاسکیں اہل اسلام کو ختم کیا جاسکے ۔یہود ونصاریٰ اور مشرکین سے دوستی اور انہیں مسلم مما لک میں قدم جمانے کا موقع فراہم کیا جاسکے اور لوگوں درمیان بغیر ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا جواز پیدا ہو سکے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فتاویٰ مسلم نوجوان مجاہدین کے قتل کے جواز کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور بہانہ یہ بنایا جاتا ہے کہ یہ دہشت گردی کو ختم کرنا اور امن وامان قائم کرنا ہے۔حالانکہ یہ علماء اور مفتیان ان مقاصد کے لیے یہ فتاوی نہیں دیتے اگر ان علماء ومفتیان کو معلوم ہو جائے کہ ان کے فتاوے اور فیصلہ ان مذموم مقاصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں تو وہ کبھی بھی ایسے فتوے نہ دیں ۔یہ ہماری رائے اور حسن ظن ہے ان علماء ومفتیان صالحین کے بارے میں مفتی ،قاضی اور عالم کے لیے ضروری ہے کہ جس سوال جواب دے رہا ہے یا جس بات کا فیصلہ کر رہا ہے اس کی مکمل حقیقت سے واقفیت حاصل کرلے اور یہ غلط قسم کے لوگ جن حیلوں بہانوں سے گھما پھرا کر سوالات کرتے ہیں اور اپنی مرضی کے فتاوے حاصل کرتے ہیں ان

کی چالاکیوں سے بھی باخبر رہا کریں کہ یہ کیسے کیسے الفاظ وعبارات استعمال کر کے اصل مسئلہ کو پوشیدہ رکھتے ہیں بظاہر سوال کچھ ہوتا ہے اندرونی مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ لہٰذا عالم، مفتی اور قاضی کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مسئولہ واقع کی مکمل تفصیلات معلوم کرے اس کے بعد فتویٰ دے اس طرح فتویٰ یا فیصلہ صحیح ہوگا اور فتویٰ کے لیے اس طرح کرنا نہایت ہی ضروری اور اہم ہے۔ اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی حاکم یا مفتی اس وقت تک صحیح فتویٰ یا فیصلہ نہیں دے سکتا جب تک وہ دو باتوں کو نہ سمجھ لے:

① واقعہ کو سمجھنا اس کی مکمل صورت حال کا علم کا حصول بذریعہ قرائن علامات وحالات تاکہ کوئی گوشہ اوجھل نہ رہے۔

② واقعہ میں واجب وضروری کیا چیز ہے؟ یعنی یہ جاننا ضروری ہے کہ اس واقعہ کے بارے میں اللہ کا حکم کتاب اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی کیا ہے؟ پھر اس کے بعد دلائل کی روشنی میں اپنا فیصلہ وفتویٰ دے جس نے بھی اس طرح کی محنت وکوشش کر لی وہ ایک یا دو اجر سے محروم نہیں رہے گا۔ عالم وہ ہے جو واقعہ کی معرفت وتفقہ سے اللہ ورسول کے حکم تک رسائی حاصل کرتا ہے (اعلام الموقعین لابن قیم رحمہ اللہ: ۱/۸۷-۸۸)۔ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن بطہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: آدمی اس وقت تک خود کو فتویٰ دینے کے لیے پیش نہ کرے (مفتی نہ بنے) جب تک اس میں پانچ صفات نہ پیدا ہو جائیں۔

① نیت: اگر نیت خالص نہیں ہے تو اس میں اور نہ اس کے کلام میں نور ہوگا۔

② علم، وقار، بردباری، سکون۔

③ اپنی معلومات اور نظریہ ورائے پر قوت کے ساتھ قائم ہو اور جس مسئلے کا فتویٰ دے رہا ہے اس میں بھی (مضبوط علم والا ہو)

④ قناعت پسند ہو ورنہ لوگ اسے ورغلائیں گے۔ یہ بھی معنی ہے کہ مکمل علم والا ہو اس معاملے میں کسی کا محتاج نہ ہو ورنہ لوگ اسے بے وقوف بنائیں گے۔

⑤ لوگوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ پانچویں صفت کہ لوگوں کو سمجھتا ہو یہ اہم اور بنیادی صفت ہے جو ہر مفتی اور قاضی میں موجود ہونی چاہیے اگر یہ صفت اس میں نہ پائی جاتی ہو تو وہ اصلاح کے بجائے خرابیاں زیادہ پیدا کرے گا اگر وہ اس صفت کا حامل نہ ہو تو ظالم اس کے سامنے مظلوم اور مظلوم ظالم کی صورت میں حق باطل اور باطل حق کی صورت میں پیش کیے جائیں گے اور لوگ اس کو مختلف طریقوں سے دھوکہ دے کر غلط فیصلے اور فتوے حاصل کریں گے۔اس کے سامنے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا کریں گے اور یہ لوگوں کی حالت سے ناواقف ہونے ان کی عادات سے لاعلم ہونے کی وجہ سے ان کے رسوم واصطلاحات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحیح و غلط، حق وناحق ۔ سچ وجھوٹ میں تمیز نہیں کر سکے گا۔لہٰذا اس کو لوگوں کے حالات وعادات اور طور طریق سے اچھی طرح باخبر اور واقف ہونا چاہیے ان کو دھوکہ دینے کے طریقوں اور رسوم ورواج سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے اس لیے کہ حالات ،زمان ومکان ،عادات ورسوم کی وجہ سے بھی فتویٰ میں تبدیلی ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے(اعلام الموقعین لابن قیم رحمہ اللہ:٤/١٩٩-٢٠٥۔الطرق الحاکمیة لابن قیم رحمہ اللہ:١/١٧-١٨)۔یہی وجہ ہے جب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ ایک کے بعد ایک ملک فتح کر رہے ہیں اور وہاں اسلام نافذ کرتے ہیں مگر ملکی فیصلے ان کے بادشاہ چنگیز خان کے بنائے ہوئے کے مطابق کرتے ہیں جن کا مجموعہ الیاسق ہے؟ تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہ ان کے بارے میں فتویٰ دینے سے پہلے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے ایک تو ان کی حالت کیا ہے؟ اور ان کے بارے میں اللہ

کا حکم کیا ہے؟ اس کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ کا جو حکم ہے وہ بیان کیا ہے اور ان کی حالت و حکم پانچ صفحات پر مشتمل تفصیل سے بیان کیا ہے (مجموع الفتاوی:۲۸/ ۵۱۰-۵۳۱) ۔حکم و تشریع اور اللہ کے حکم سے کسی بھی صورت میں خروج سے متعلق حکم لگانے میں مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا ہونے کی وجہ ہے یہ کہ احکام نظریہ کی بنیاد کی تحقیق اس طرح نہیں کی جاتی کہ صحیح اور حقیقی صورت حال سامنے آسکے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو حکم لگانے میں غلو کیا جاتا ہے یا تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ حق یہ ہے کہ افراط و تفریط کے درمیان کا راستہ اپنایا جائے اور ہر دلیل کو اس کے مناسب مقام پر رکھ دیا جائے ورنہ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ادلہ شرعیہ اور قرآن کے نصوص کو باہم متصادم و متعارض کرنا پڑے گا حالانکہ قرآن اس مقصد کے لیے نازل نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر سمجھا جائے اور سب پر عمل کیا جائے ہر دلیل کو اس کی جگہ پر رکھا جائے۔

مسئلہ حکم و تشریع میں تکفیر کی بنیادوں کا اجمالی ذکر

مسئلہ حکم و تشریع کے معاملے میں تکفیر کی بنیادیں متعدد ہیں مثلاً: اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی مطلق اطاعت کفر کی بنیاد ہے اس لیے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض کر رکھی ہے اور اسے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (نساء:۵۹)

ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا

يُحْيِيْكُمْ.(انفال:٢٤)

ایمان والو، اللہ ورسول (ﷺ) کی بات قبول کروجب تمہیں بلائے زندگی دینے کے لیے یا زندگی دینے والے (دین) کی طرف۔

اللہ نے شیطان کی اطاعت کو شیطان کی عبادت قرار دیا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ.(یٰسین:٦٠)

اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

لہٰذا جو شخص، گروہ، یا جماعت مطلق اطاعت کا حق اللہ کے دین کی طرف رجوع کی قید کے بغیر کسی اور کو دیتا ہے تو وہ اس غیر کو رب ومعبود بناتا ہے اور اس کے لیے وہ بہت بڑی اطاعت بجالاتا ہے جو صرف اللہ کے لیے ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.(توبہ:٣١)

انہوں نے اپنے علماء، درویشوں کو اور عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کے علاوہ معبود بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

اسی طرح اللہ ورسول ﷺ کے حکم پر راضی نہ ہونے اسے پسند نہ کرنا بھی کفر کا سبب و بنیاد ہے۔ یہ رضامندی درحقیقت دل میں ہوتی ہے اور اس کا اظہار انسان کے اعضاء سے ہوتا ہے۔ جو شخص

دل سے اللہ ورسول ﷺ کے احکام کو پسند نہیں کرتا یا زبان سے ناپسندیدگی کا اظہار کر لیتا ہے یا اللہ کے حکم کی طرف بلایا جائے اور وہ منہ موڑ لے یا اللہ کے ثابت شدہ حکم بے وقوفی پر مبنی قرار دے تو یہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (نساء:٦٥)

یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے متنازعہ امور میں آپ (ﷺ) کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر آپ (ﷺ) کے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

اللہ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہنے والے منافقین کا مسلک وطریقہ یہ ہے کہ جب انہیں اللہ ورسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں اور اللہ کے حکم سے روکتے ہیں:

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ اِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ۝ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (نور:٤٨)

جب انہیں اللہ ورسول (ﷺ) کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اگر ان کے لیے حق ہو (جو انہیں ملتا ہو) تو یہ مطیع ہو کر اس کی طرف آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا انہیں یہ ڈر ہے کہ اللہ ورسول (ﷺ) ان پر ظلم کریں گے (ایسا نہیں ہے) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔

اللہ ورسول ﷺ کے کسی ایک حکم کو ردّ کرنا یا اس کی طرف فیصلہ لیجانا تکفیر کا سبب ہے چاہے کسی بھی حکم میں ہو۔اسی طرح رسول ﷺ کی زبانی اللہ نے جو شریعت ہمیں دی ہے اس کا کوئی حکم کسی بھی حالت میں ترک کر دینا کفر کا سبب ہے اگر چہ کسی اور حکم پر عمل نہ بھی کیا ہو صرف حکم شرعی کو ترک کرنا ہی کفر وارتداد ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ.(مائدہ:٤٤)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

قرآن میں اللہ کے نازل کردہ یا اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ سے بتائے ہوئے احکام میں سے قلیل ہوں یا کثیر کسی کو ترک کرنا کفر ہے ملت سے خارج کرنے کا سبب ہے اس کو جاہلیت کا حکم کہا گیا ہے:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ.(مائدہ:٥٠)

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں؟ یقین کرنے والی قوم کے لیے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہوسکتا ہے؟

اس معاملے میں یہ فرق بھی نہیں ہے کہ یہ حکم (بغیر ما انزل اللہ) کرنے والا قاضی ہو،حکمران ہو،یا جسے فیصلہ کرنے کے لیے (ثالث یا مفتی) مقرر کیا گیا ہو۔اسی حکم میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ کے حکم کے بدلے میں کسی اور کا حکم اور فیصلہ اپنایا جائے۔یہ کفر ہے ملت سے خارج کرنے والا ہے اس پر دلیل نص میں بھی موجود ہے اور اجماع سے بھی ہے۔اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی اور کا احکام وقوانین بنانا ملت سے خارج کر دینے والا کفر ہے کوئی بھی ،گروہ،جماعت،یا مجلس یا انتظامیہ یا کوئی فرد اگر خود کو یا کسی اور کو تشریع کا حق دیتا ہے تو یہ اللہ اور اس کے دین کے ساتھ کفر

ہے جیسا کہ فرمان رب العالمین ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ. (شوریٰ:۲۱)

کیا ان کے ایسے شریک بھی ہیں جو ان کے لیے شریعت بناتے ہیں دین میں سے (حالانکہ) اس کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔

فرمان ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ. (انعام:۱۳۷)

اور اسی طرح ان کے شرکاء نے ان کے سامنے ان کی اولاد کا قتل مزین کر دیا ہے تا کہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان پر ان کا دین خلط ملط کر دیں۔

یہ مختصر وہ اسباب اور بنیادیں تھیں جو مسئلہ حکم وتشریع سے متعلق تھیں اس کی تفصیل مع دلائل ونصوص اور اقوالِ علماء کے آنے والی ہے انشاءاللہ۔

① پہلی بنیاد یا سبب، اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی مطلق اطاعت

اللہ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت فرض کر دی ہے اور اس کو دین کی بنیاد قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ. (آل عمران: ۳۲)

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے اللہ کی اطاعت کرو رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر یہ پھر

جائیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ تو واضح ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت مطلق ہے ان کے علاوہ بقیہ ہر اطاعت اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مقید ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوْآ اَطِيْعُوا اللهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً. (نساء:٥٩)

ایمان والو،اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اگر تم کسی مسئلہ میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ و رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ و یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔

اللہ نے اپنی اور رسول کی اطاعت کو مطلق قرار دیا ہے جبکہ اولی الامر کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ مقید کیا ہے قرآن کی آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس نے اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کو مطلق اطاعت کا حق دیا تو اس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو تحریم و تحلیل اور تشریع میں شریک بنالیا اس بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

①: اللہ کا فرمان ہے:

قُلْ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَ لاَ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (آل عمران:٦٤)

اے محمد (ﷺ) کہدو کہ اے اہل کتاب آؤ اس کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر برابر ہے کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور نہ

اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے ۔نہ ہی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب بنائیں گے۔اگر یہ پھر جائیں تو ان سے کہدو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

یہ آیت تمام اہل کتاب کو اس بات کی دعوت دے رہی ہے کہ وہ مومنوں کے ساتھ ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں اور وہ کلمہ ہے توحید اور اللہ کا وہ دینِ حق جس کے علاوہ کوئی اور دین اللہ قبول نہیں کرتا اس دین کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ اللہ کو اطاعت اور فرمانبرداری میں ایک مان لیا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس نے تحلیل،تحریم اور تشریع میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کر لی تو اس نے اس کو رب ومعبود بنالیا اسے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرالیا۔مسئلہ حکم وتشریع میں سے یہ ایک بنیاد وسبب ہے۔اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حسن ابن زید اور سدی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل نجران کو خطاب ہے۔اس لیے کہ انہوں نے اپنے علماء کو اطاعت میں رب بنالیا تھا۔قتادہ وابن جریج رحمہما اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کے یہود کو خطاب ہے۔اس لیے کہ انہوں نے اپنے علماء کو اطاعت میں رب بنالیا تھا۔وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا مطلب ہے کہ ہم تحلیل وتحریم میں کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔سوائے اللہ کے۔یہ آیت بھی گویا وہی بات کر رہی ہے جو کہ آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُم میں کہی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے علماء کو تحریم وتحلیل میں رب کے برابر قرار دیدیا ہے۔فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ کے بارے میں قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:اس کا معنی ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے احکامات کے پابند وفرمانبردار ہیں اور اللہ نے ہم پر جو احسان کیے ہیں ہم ان کا اعتراف کرتے ہیں۔ہم اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہیں بناتے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ عزیر علیہ السلام نہ کسی فرشتے نہ کسی انسان کو جو ہماری طرح مخلوق ہے نہ ہم علماء ورہبان کے ایسے حرام کردہ کو حرام نہیں مانتے جسے اللہ نے حرام قرار نہ دیا

ہو۔اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ان کو رب بنانا ہے(تفسیر قرطبی:٤/١١٤)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل وتحریم میں اللہ کے علاوہ کسی اور اطاعت کو اس غیر اللہ کی عبادت سمجھتے ہیں اور جس نے بھی اس معاملے میں اللہ کے علاوہ کسی کی اطاعت کر لی تو اس نے گویا اس کو رب تعالیٰ کے مقام پر فائز کر دیا اور اس کو وہ حق دے دیا جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں تھا یہ بھی حکم وتشریع میں کفر کے اسباب و بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔یہی وہ مسئلہ ہے جو ابن کثیر نے اہل التفسیر سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں: **قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ.** میں جس کلمہ کا ذکر ہے اس سے مراد جملہ مفیدہ ہے جس کی صفت بیان کی گئی ہے **سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ.** یعنی ہم اور تم اس مسئلہ میں برابر ہیں پھر اس کی تفسیر اس طرح کی ہے **اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللہَ وَ لاَ نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا.** کہ کسی بھی چیز کو شریک نہیں کریں گے نہ بت کو نہ صلیب کو نہ طاغوت کو نہ آگ کو نہ کسی اور چیز کو بلکہ اللہ کو عبادت میں ایک اور اکیلا مانیں گے تمام انبیاء کی یہی دعوت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (انبیاء:٢٥)

ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے صرف میری عبادت کرو۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ. (النحل:٣٦)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

فرمان ہے:

وَّ لاَ یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ.

ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ رب نہیں بنائے گا۔

ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہیں کریں گے۔عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ ایک دوسرے کو سجدہ نہیں کریں گے۔فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. اگر یہ اس کو تسلیم کرنے سے پھر جائیں اس دعوت کو قبول نہ کریں تو تم اسلام پر برقرار رہنے پر گواہ رہو جو اسلام اللہ نے تمہارے لیے مشروع قرار دیا ہے (تفسیر ابن کثیر: ۵۵۵) ۔جو شخص اللہ کے علاوہ اپنے لیے حق تشریع کو جائز سمجھتا ہے اس کے بارے میں سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی بشر میں الوہیت کی خصوصیات ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندوں کو اپنا غلام بنائے اور ان کی زندگی میں ان کے لیے قوانین بنائے (خیر وشر کے) پیمانے اور معیارات وضع کرے جس نے ان خصوصیات میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ کیا تو اس نے اپنے لیے الوہیت کی خصوصیات کا دعویٰ کرلیا اور خود کو لوگوں کا معبود بنالیا۔لوگ جو ایک دوسرے کو (اللہ کو چھوڑ کر) رب بناتے ہیں تو یہ چیز اعلیٰ جمہوریتوں میں ہوتا ہے جبکہ ڈکٹیٹر شپ میں بھی ایسا ہوتا ہے [1] ۔ربوبیت کی پہلی خصوصیت ہے لوگوں کو غلام بنانے کا حق۔نظام

[1]: جمہوری نظام عوام کے ووٹوں سے وجود میں آتا ہے وہ خود قانون سازی کے لیے نمائندے منتخب کرتے ہیں جب یہ اسمبلی ممبران کوئی قانون بنا کر منظور کرتے ہیں تو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے سزاء مقرر ہوتی ہے کوئی شخص اس قانون کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔عدالتیں بھی فیصلہ کرنے میں ان قوانین کی پابند ہوتی ہیں ان قوانین کو قوم کے بنائے ہوئے قوانین کہا جاتا ہے جبکہ ڈکٹیٹر شپ میں قانون سازی کرنے والے جمہوری نظام کے افراد کی بنسبت کم ہوتے ہیں وہ اکثر برسراقتدار پارٹی کے افراد ہوتے ہیں ان قوانین کو نافذ کرنے کے لیے حکومت کو زبردستی وسختی کرنی پڑتی ہے اور مخالفت کرنے والوں کو سزائیں بھی سخت دی جاتی ہیں ۔جبکہ یہ دونوں قسم کے گروہ جو کام (قانون سازی) ⇐

۔منہج ۔شرائع اورقوانین مقرر کرنے کا حق ۔ یہ حق دنیا کے تمام نظاموں میں ہے چاہے لوگ ان کے بارے میں کچھ بھی کہیں کسی بھی صورت میں کوئی نظام ہواس کے (قانون سازی کے)اختیارات لوگوں کے ایک گروہ کے پاس ہی ہوتے ہیں چاہے طریقہ کوئی بھی ہو۔ بقیہ لوگ اسی گروہ کے تابع ہوتے ہیں ان قوانین کے پابند ہوتے ہیں یہی ہے زمینی خدائی یہی ہے اللہ کو چھوڑ کر لوگوں کو لوگوں کا رب بنانا(فی ظلال القرآن سید قطب شهید رحمہ اللہ: ۱/ ۴۰۶)۔

اہل علم کے اقوال اور تفسیروں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اطاعت مطلقہ صرف اللہ کے لیے خاص ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اس لیے کہ وہ اللہ کی شریعت پہنچانے والے ہیں ۔ یہ اطاعت دراصل اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے ۔جس نے تحریم وتحلیل میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کر لی اس نے اس غیر اللہ کو رب ومعبود بنالیا یہ غیر چاہے ایک فردو، گروہ ہو، جماعت ہو، یا کمیٹی ہو یا اسمبلی یا حکمران ہو۔اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسمبلیوں میں بیٹھے طواغیت جو لوگوں کے لیے شرکیہ قوانین بنارہے ہیں اور احکام شرعیہ کی طرح ان قوانین کو واجب الاتباع قرار دے رہے ہیں یہ کام کفر شرک ہے ان کی اطاعت جائز نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان قوانین کا انکار کر دے اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود رب بنے ہوئے ہیں ۔یہی وہ بنیاد ہے جس کے بغیر توحید صحیح نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (البقرہ:۲۵۶)

جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹتا

⇐ کر رہے ہیں یہ شرک ہے یہی ہے لوگوں کا ایک دوسرے کو رب بنانا اس لیے کہ یہ طاغوت اپنے بنائے ہوئے قوانین کو جو رنگ دیتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کے نازل کردہ قانون وشریعت کا ہے۔اللہ کسی چیز کو حرام قرار دے یا حلال یا نافذ کر دے عمل اسی پر ہونا فرض ہے اللہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مضبوط کڑا سے مراد لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہے۔ جو شخص طاغوتی قوانین طواغیت مشرعین کا انکار نہیں کرتا تو وہ قرآن کی اس آیت کی رو سے مؤمن نہیں ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا اس کا مال اور اس کی جان محرم نہیں جب تک ایک اللہ پر ایمان نہ لے آئے اور اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے ان طواغیت کا انکار نہ کردے۔

من قال لااله الاالله و كفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه وحسابه على الله. (مسلم)

جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور اللہ کے علاوہ معبودوں کا انکار کردیا تو اس کی جان و مال محفوظ ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث لا الٰہ الا اللہ کا معنی اچھی طرح واضح کرتی ہے اس لیے کہ اس نے صرف لا الٰہ الا اللہ کے تلفظ کو جان و مال کے تحفظ کا ضامن نہیں بنایا بلکہ تلفظ اور معنی دونوں کو بھی نہیں بنایا نہ اقرار کو نہ ہی اس بات کو کہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں بنائے گا بلکہ اس بات کو ضامن بنایا کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت سے انکار کرے اگر اس میں شک یا تردد کیا تو جان و مال محفوظ نہیں ہے اس حدیث نے کتنی اہم وضاحت کردی اور کتنا بڑا مسئلہ بتا دیا ہے اور کتنی بڑی حجت اور دلیل ہے یہ حدیث (فتح المجید شرح کتاب التوحید: ٨٤)۔

② دوسری دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

يُشْرِكُوْنَ. (توبہ: ۳۱)

انہوں اپنے علماء ودرویشوں کواور مسیح ابن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں وہ اکیلا معبود ہے ان کے شرک سے پاک ہے۔

یہ آیت بہت ہی وضاحت کے ساتھ بتارہی ہے کہ ہم سے پہلے جو اہل کتاب تھے ان کا کفر یہ تھا کہ انہوں نے تحلیل وتحریم میں اپنے علماء ودرویشوں کی اطاعت کی تھی اور اللہ کا حکم چھوڑ دیا تھا۔ یہ حکم اب بھی ہر اس شخص پر لاگو ہوگا جو اللہ کے علاوہ کسی اور اطاعت مطلقہ کا حق دیتا ہے یہی وہ عمل ہے جو طواغیت اپنے شرکیہ پارلیمنٹ میں کرتے ہیں کہ وہ انسان کو تشریع کا حق دیتے ہیں اور لوگوں کو ان قوانین کی پیروی کا پابند بناتے ہیں اس قانون کی نافرمانی کو حرام قرار دیتے ہیں بلکہ مخالفت کرنے والوں کا پیچھا کرتے انہیں سزائیں دیتے ہیں۔ اگر ہم سے قبل کے اہل کتاب اس بات پر کافر قرار پاتے ہیں کہ انہوں نے تحلیل وتحریم میں اپنے علماء کی اطاعت کی تھی تو اب مفسدین، ملحدین اور لادین لوگ جو قرآن وسنت سے واقفیت نہیں رکھتے نہ عالم ہیں نہ عابد انہیں تشریع کا حق دینے اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی سے آدمی کافر کیوں قرار نہیں پائے گا؟ ضرور کافر ہوگا ملت سے خارج ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام احمد، ترمذی اور ابن جریر رحمہم اللہ عدی بن حاتم کے توسط سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو یہ شام کی طرف فرار ہوگئے یہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے۔ پھر اس کی بہن اور اس کی قوم کا ایک گروہ گرفتار ہوگیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کرکے اس کی بہن کو رہا کر دیا وہ اپنے بھائی کے پاس چلی آئی اور اسے اسلام کی ترغیب دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے پر آمادہ کیا تو یہ عدی جو اپنے قبیلے طی کے رئیس تھے اور ان کا باپ حاتم طائی مشہور سخی

گزرا تھا۔ یہ نبی ﷺ کے پاس آئے لوگوں نے ان کے آنے کے بارے میں باتیں کیں۔ یہ رسول ﷺ کے پاس آئے ان کے گلے میں چاندی سے بنی صلیب تھی۔ نبی ﷺ اس وقت یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے: اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ...... عدی نے کہا کہ وہ لوگ اپنے علماء کی عبادت تونہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ علماء جب کچھ حلال یا حرام کردیتے تھے تو یہ اہل کتاب ان کی پیروی کرتے تھے اور یہی عبادت تھی ان کی (ترمذی: حسن)۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں حذیفہ بن الیمان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے کہ اہل کتاب نے تحلیل وتحریم میں علماء کی اطاعت کی تھی سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: انہوں نے آدمیوں کو نصیحت کا ذریعہ بنالیا تھا اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا تھا اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ انہیں صرف میری عبادت کا حکم دیا گیا تھا یعنی اللہ جس کو حرام قرار دے وہ شیٔ حرام ہے اور جسے حلال قرار دے وہ حلال ہے اور قانون اللہ بنائے وہ قابل اتباع ہے۔ اور جو حکم دے وہی نافذ العمل ہوگا۔ لاالٰہ الاھو ......وہ اللہ مددگاروں شریکوں، اولاد، واضداد سے پاک ہے اس کے علاوہ کوئی رب کوئی الٰہ نہیں ہے (ابن کثیر: ۲/ ۵٤٤-٥٤٥)۔

بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی کہے کہ انہوں نے تو احبار ورھبان کے لیے رکوع وسجدہ نہیں کیا تھا؟ تو ہم کہیں گے کہ انہوں نے اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت کی تھی ان کے حرام کردہ کو حرام حلال کردہ کو حلال ماننا تھا یہی رب بنانا ہے (تفسیر بغوی: ۳/ ۲۸۵)۔

اس آیت کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عدی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں اسی طرح ابوالبختری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ انہوں نے احبار ورھبان کے سامنے نماز نہیں پڑھی اگر وہ انہیں حکم کرتے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری عبادت کرو تو وہ کبھی ان کی بات نہیں مانتے لیکن انہوں نے کچھ چیزیں حرام اور کچھ حلال قرار دیں اور لوگوں نے انہیں تسلیم کرلیا یہ ان کو رب

بنانا تھا۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوالعالیہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل میں یہ ربوبیت کیسی تھی؟ اس نے کہا کہ انہیں اللہ کی کتاب میں امرونہی دیئے گئے مگر انہوں نے کہا کہ ہم اپنے احبار ورھبان کو نہ چھوڑیں گے وہ جو حکم دیں گے ہم اسے مانیں گے اور جس سے منع کریں گے اس سے رک جائیں گے انہوں نے آدمیوں کو نصیحت کا ذریعہ بنالیا اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا ۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت کردی ہے کہ اہل کتاب کا احبار ورھبان کو رب بنانا یہ تھا کہ ان کے حرام کردہ کو حرام اور ان کے حلال کردہ کو حلال سمجھتے تھے ان کے لیے سجدہ یا ان کے لیے وہ نماز نہیں پڑھتے تھے نہ ہی ان کے لیے روزہ رکھتے تھے نہ ہی ان کو پکارتے تھے یہ لوگوں کی عبادت ہے اور وہ مال کی پرستش ہے جس کی وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کردی ہے اور اللہ نے بھی اسے شرک قرار دیا ہے اسی لیے فرمایا: **سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ**. (مجموع الفتاوی:٦٧/٧)۔

یہ تمام اقوال جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ ، حذیفہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے گزر چکے ہیں ان کی وجہ سے اس بات میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا کہ بنی اسرائیل کا شرک یہ نہیں تھا کہ انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ کیا تھا بلکہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر علماء کے اقوال کو اپنالیا تھا انسانوں کی باتوں کی اتباع کرلی تھی اللہ کی شریعت کی مخالفت میں ۔غیر اللہ کو رب بنانا صرف یہ نہیں کہ اس کے آگے سجدہ کیا جائے ان کے لیے روزہ رکھا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ ان کی تشریع وحکم قبول کیا جائے ۔غور سے دیکھیں تو پہلے والے لوگوں کا شرک موجودہ دور کے شرک سے کم اور معمولی درجے کا تھا اس لیے کہ پہلے والوں نے تو علماء اور عبادت گزار لوگوں کی اتباع کی تھی جبکہ موجودہ دور کے لوگ تو زیادہ گمراہ اس لیے ہیں کہ یہ ان فاسقوں، جاہلوں اور کفار کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کرتے ہیں جو نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ دین کے احکام سے واقف ہیں ۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لوگ کس طرح جاہلیت کی گندگی میں ملوث ہوتے جارہے ہیں جبکہ دعویٰ کرتے ہیں تہذیب تمدن وترقی کا

۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے حکم ونہی کو واجب الاطاعت قرار دیدیا اس نے اس غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنالیا اس نے وہی کام کیا جو نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ کیا تھا یہی وہ شرک ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ.(البقرہ:١٦٥)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوست بناتے ہیں ان کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور ایمان والے اللہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ:١٠/٦٦٧)

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب فتح المجید میں سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جس نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کی اور کتاب وسنت کو تحلیل وتحریم میں اپنانے سے منہ موڑ لیا اور اس غیر اللہ کی اطاعت اللہ کی معصیت میں کر لی اور اس معاملہ میں اس اتباع کی جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے تو اس نے غیر اللہ کو رب اور معبود بنالیا اسے اللہ کا شریک ٹھہرالیا یہ اس توحید کے منافی ہے جس پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ دلالت کرتا ہے۔

الٰہ کا معنی ہے معبود اللہ نے اہل کتاب کی اطاعت کو عبادت کہا ہے احبار ورھبان کو رب کہا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ لَا یَاۡمُرَکُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرۡبَابًا.(آل عمران:٨٠)

(اللہ) تمہیں اس بات کا حکم نہیں کرتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔

اَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡکُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.(آل عمران:٨٠)

کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا جب کہ تم مسلمان ہو؟

یہ ہے شرک ہر معبود رب ہے۔ جو شخص اللہ و رسول ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور کی اطاعت یا تابعداری کرتا ہے تو وہ اسے اللہ کا شریک بناتا ہے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (انعام:۱۲۱)

اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو۔

یہ آیت ہمارے بیان کردہ مسئلہ سے مطابقت رکھتی ہے اس آیت کا معنی ایک اور آیت کے معنی سے بھی مشابہت رکھتا ہے وہ آیت ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے ایسی شریعت بناتے ہیں جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی؟ (فتح المجید: ۱۰۰-۱۱۱)

شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.** کے بارے میں جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اہل کتاب کے علماء نے ان کے لیے وہ چیزیں حرام کر دیں جو اللہ نے حلال کی تھیں اور ان لوگوں نے علماء کی بات مان لی یہ ہے رب بنانے کا معنی۔ یہ آیات وضاحت کے ساتھ یہ بتا رہی ہیں کہ جس نے شیطان کی شریعت کی ایسی پیروی کی جس سے رسول ﷺ کی شریعت پر اثر پڑا تو ایسا شخص کافر ہے شیطان کی عبادت کرنے والا ہے اسے رب بنانے والا ہے اگرچہ شیطان کی اس اتباع کو یہ کوئی بھی نام دے اس لیے کہ الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی (اضواء البیان فی تاویل بالقرآن للشنقیطی: ۱/۴۷۶)۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کی واضح آیات، رسول ﷺ کے فرامین اور متقدمین و متاخرین مفسرین کی تفسیروں سے عقیدہ اور دین سے متعلق ایسے حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں

جن کا خلاصہ ہم یہاں پیش کررہے ہیں۔(وہ حقائق یہ ہیں کہ) قرآن وسنت کے نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبادت اتباع ہی ہے ورنہ یہود ونصاریٰ نے احبار ورھبان کو جو رب بنالیا تھا وہ یہ نہیں تھا کہ انہوں نے ان کی عبادت کی تھی یا ان کی الوہیت کا اقرار کیا تھا اس کے باوجود اللہ نے ان کو مشرک قرار دیا۔اور دوسری آیت میں کافر کہا صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے احبار ورھبان کے بنائے ہوئے قوانین وشرائع کی اطاعت کی تھی اگر چہ اعتقاد بھی نہ ہوا اور شعائر بھی نہ بجالائے جائیں صرف قوانین میں اطاعت ہی کسی کو زمرۂ مومنین سے نکال کر مشرکین کے گروہ میں شامل کرنے کے لیے کافی ہے۔قرآن کی آیت نے احبار ورھبان کے قوانین کو ماننے والے یہود اور عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ بنانے والے نصاری کو شرک میں برابر قرار دیا ہے حالانکہ عیسائیوں نے تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الٰہ ہونے کا عقیدہ بھی رکھا اور شعائر بھی بجالائے مگر یہ دونوں عمل ہی انسان کو مومنین کے گروہ سے نکال کر کفار کے گروہ میں شامل کرنے کا سبب ہیں۔ثابت یہ ہوا کہ شرک یہی ہے کہ حق تشریع بندوں کو دیدیا جائے اگر چہ اس کے ساتھ الوہیت کا عقیدہ نہ بھی ہو(الظلال لسید قطب شھید رحمہ اللہ:۳/۱٦٤۲)۔

اطاعت لغیر اللہ تکفیر کی بنیاد ہے اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جو لوگوں نے احبار ورھبان کو رب بنالیا تھا تو یہ انہوں نے تحلیل وتحریم میں ان کی اطاعت کی تھی اس کی دو قسمیں تھیں:

① انہیں معلوم تھا کہ ان علماء نے دین تبدیل کر دیا ہے اس کے باوجود ان کی پیروی کی اور وہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے اور حلال کردہ کو حرام کرنے (کے جواز) عقیدہ رکھتے تھے صرف اپنے زعماء ورؤساء کی اتباع میں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ علماء وزعماء رسولوں کے دین کی مخالفت کررہے ہیں تو یہ عمل کفر ہے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک کہا ہے اگر چہ وہ لوگ ان

زعماء وعلماء کے آگے سجدہ نہیں کرتے تھے نہ ہی ان کے لیے نمازیں پڑھتے تھے لہٰذا اگر کسی کو معلوم ہو کہ فلاں شخص اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت کر رہا ہے اور پھر بھی اس کی اتباع کرتا ہو تو یہ مشرک ہے جس طرح یہود مشرک قرار پاتے تھے۔

(۲) وہ لوگ تھے جنہیں معلوم تھا کہ تحلیل و تحریم گناہ ہے غلط ہے مگر پھر بھی زعماء و علماء کی پیروی کر لی تو یہ گناہ گار ہیں جیسا کہ بعض مسلمان یہ دیکھتے اور سمجھتے ہوئے کہ فلاں کام گناہ ہے پھر بھی کر لیتے ہیں تو یہ گناہ گار شمار ہوتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی تھے (جو تحلیل و تحریم کو اعتقاداً جائز نہیں سمجھتے تھے۔(مجموع الفتاوی:۷/ ۷۰)

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کی تشریع یعنی قانون سازی میں کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ نیا قانون بنایا جاتا ہے جس کی اصل و بنیاد شریعت میں نہیں ہوتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شریعت میں کوئی قانون نصوص سے ثابت ہے اس میں تبدیلی کر دی جاتی ہے یہ دونوں عمل تشریع کہلائیں گے۔جس نے کوئی ایسا نیا قانون ایجاد کیا لوگوں کے لیے جو اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت میں نہیں تھا تو وہ کافر ہے۔اور جس نے کتاب و سنت سے ثابت شدہ حکم کو تبدیل کر لیا مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیا تو وہ بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح پہلی قسم کا شخص ہے۔یہ حکم اس کے لیے بھی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت شدہ حدود و سزاؤں میں تبدیلی کرتا ہے ۔اسی لیے ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ احکام چار طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بنائے جاتے ہیں:

(۱) کسی لازم فرض کو ساقط کر دیا جائے مثلاً نماز، زکاۃ، یا روزہ، حج یا زنا کی حد یا قذف کی حد سے کچھ حصہ کو یا مکمل طور پر ساقط کر دیا جائے۔

(۲) یا ان فرائض میں سے کسی فرض میں اضافہ کر دیا جائے یا کوئی نیا فرض ایجاد کر لیا جائے۔

③ یا کسی حرام کو حلال کرلیا جائے جیسے خنزیر، شراب، یا مردار کو۔

④ یا حلال کو حرام کرلیا جائے جیسے بکری وغیرہ کا گوشت حرام قرار دیا جائے ۔ان طریقوں میں سے جو بھی طریقہ اپنایا جائے اس کا قائل کافر مشرک ہے یہود و نصاریٰ کے حکم میں ہے۔

ان میں سے کسی بھی طریقے کو جائز قرار دینے والے کو بغیر توبہ کروائے قتل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ۔اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال کے حوالے کیا جائے اس لیے کہ اس نے اپنا دین بدل دیا ہے جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے جس نے دین بدل دیا اسے قتل کردو۔

(الاحکام فی الاحکام لابن حزم:٦/١١٠،٩/٢،٦/٧٧-٨٧-١٠٩-١١٧،حدیث کو بخاری ،احمد،ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ھے)

ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں اگر تحریم و تحلیل کے بارے میں شریعت ایجاد کی جائے یا کسی ایسی بات پر رائے کو جائز قرار دیا جائے جس میں اللہ و رسول ﷺ کا حکم نہ ہو یا اللہ و رسول ﷺ کی شریعت کو اپنی رائے کی بنا پر باطل قرار دیا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں سب باطل اور جھوٹ اور واضح کفر ہے(الاحکام :٦/٣١) ۔اسی لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی حرمت پر اجماع ہو اسے حلال اور جس کی حلت پر اجماع ہو اسے حرام قرار دیا جائے یا ایسی شریعت کو بدل دیا جائے جس پر اجماع ہو تو ایسا کرنے والا باتفاق فقہاء کافر ہے(مجموع الفتاوی:٣/٢٦٧) ۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: اسلام سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق بھی ہے کہ جس نے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی اتباع کو جائز قرار دے دیا یا محمد ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت کو تو وہ کافر ہے اس کا کفران

لوگوں کی طرح ہے جو کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ پر کفر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّـذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَـقُـوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۝ اُولٰٓئِکَ ھُـمُ الۡـکٰـفِـرُوۡنَ حَـقًّـا وَ اَعۡتَـدۡنَـا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًـا مُّھِیۡنًا . (نساء: ۵۰)

جو لوگ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ میں فرق کریں (ان کے احکام میں) اور کہتے کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کوئی درمیانی راہ اپنالیں یہ لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اللہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ تحلیل وتحریم کی جراءت کرے خاص کر اہل علم کہلانے والوں کے لیے اس لیے کہ اکثر لوگ اہل علم کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی طرح علماء کے لیے جائز نہیں کہ وہ حکمرانوں کی خواہشات کے مطابق فتوے دیں اور کتاب وسنت کو ترک کردیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ مرتد کافر ہوگا اس لیے کہ اس نے اللہ کا محکم حکم چھوڑ دیا اور حکمرانوں کی خواہشات کو اہمیت دی۔ اسی لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی عالم کتاب وسنت سے حاصل کردہ علم کو چھوڑ کر حکمرانوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے جو کہ اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہوں تو یہ عالم کافر مرتد ہے دنیا وآخرت میں سزاء کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ

وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. (اعراف: ۱-۳)

یہ کتاب ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف نازل کی ہے آپ کے دل میں اس سے تنگی نہیں ہونی چاہیے۔تا کہ آپ اس کے ذریعے سے ڈرائیں اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لیے۔تابعداری کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی اور کی پیروی مت کرو تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اگر اس (عالم) کو مارا پیٹا جائے قید کر لیا جائے اور اسے اس بات پر مجبور کرنے کی کوشش کی جائے کہ یہ اللہ و رسول ﷺ کی شریعت کو ترک کر دے اور کسی اور کا حکم مان لے اگر اس نے ایسا کیا تو پھر بھی یہ سزاء کا مستحق ہے اس کو چاہیے کہ ہر قسم کی تکلیف پر صبر کرے اس لیے کہ یہ انبیاء کی سنت ہے اور ان کے متبعین کی۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ. (عنکبوت: ۱-۳)

کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ انہیں صرف اس بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہیں گئے حالانکہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو آزمایا تا کہ اللہ سچے لوگوں اور جھوٹوں کی پہچان کروا دے۔

(مجموع الفتاوی: ۳۵/۳۷۳)

گزشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ جس نے احکام شریعت کے خلاف قوانین بنا لیے اس نے خود کو اللہ کے ساتھ رب قرار دیدیا اور جس نے اس قانون کی پیروی کی باوجودیکہ اسے معلوم تھا کہ یہ

دین اسلام کے خلاف ہے تو یہ شخص کافر مشرک ہے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتا ہے۔جب ہم ان حکومتوں کی حالت پر غور کرتے ہیں جو اسلامی ہونے کی دعوے دار ہیں تو ہم ان کے اس جھوٹے دعوے کے ساتھ ساتھ دیکھتے ہیں کہ وہ اس مذکورہ قسم کے شرک میں مبتلا ہیں ان مما لک کی اسمبلیاں لوگوں کے لیے قوانین بناتی ہیں جن کی اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں بلکہ اللہ کے احکام سے متصادم ہوتے ہیں مثلاً سود، زنا، شراب، بے پردگی، بے حیائی اور عریانی کو جائز قرار دینا، جمہوریت اور آزادی کے نام پر اللہ کے دین سے مرتد ہونے کی اجازت دینا۔اور اسلام مخالف مذاہب کو تبلیغ و اشاعت کی اجازت دینا مثلاً سیکولرازم جمہوریت وغیرہ اور یہ سب آزادئ رائے کے نام پر ہوتا ہے۔ان اسمبلیوں کے جواز کے لیے دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ اس دور کی تہذیب اور تمدن ہے۔اللہ کے احکام کو رجعت کا سبب قرار دے کر ردّ کرتے ہیں۔بہت سے لوگ یہ پوچھے بغیر کہ یہ اسلامی حکم ہے یا نہیں ان کے (قوانین کی) پیروی کرتے ہیں یہ ایسی باتیں بھی معلوم نہیں کرتے جو انہیں اس پستی سے نکال سکیں۔اس طرح کی قانون سازی کفر ہے اللہ کے دین سے ارتداد ہے۔ان خلاف اسلام قوانین کی پیروی اسلام سے ارتداد ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ اس طرح کی پیروی سے خود کو محفوظ رکھے۔

③ تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لاَ تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (انعام:۱۲۱)

مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔یہ فسق ہے۔شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم

مشرک ہو جاؤ گے۔

یہ آیت دلیل اور تاکید ہے سابقہ بات کے لیے جس میں کہا گیا ہے کہ تحلیل وتحریم میں غیر اللہ کی اطاعت کفر وشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ مشرکین مومنین کے ساتھ اس بات پر جھگڑتے ہیں کہ یہ اپنے ہاتھ کا ذبیحہ تو کھاتے ہیں مگر اللہ نے جسے مار دیا ہو (مردار) اسے نہیں کھاتے؟ حالانکہ عقل تو یہ کہتی ہے کہ جسے اللہ نے موت دی ہو اسے کھایا جائے اور انسان کا ذبح کیا ہوا نہ کھایا جائے۔ اللہ نے یہ بتایا کہ جس نے مشرکین کی بات مان لی اور مردار کو حلال سمجھ لیا وہ کافر مشرک ہے۔ یہ سابقہ بات کی واضح تفسیر ہے جس میں کہا گیا تھا کہ تحلیل وتحریم میں غیر اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت سے کچھ لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حلال نہیں ہے اگرچہ ذبح کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ طبرانی میں سنداً ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فارس نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو (کہ یہ کیا بات ہوئی کہ) جو تم اپنے ہاتھ سے ذبح کرو وہ حلال ہے اور جسے اللہ سونے کی تلوار سے ذبح کرے وہ حرام ہے؟ یعنی مردار تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: **اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ.** یعنی فارس کے شیاطین اپنے دوستوں قریش کو کہتے ہیں۔ دوسری جگہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ان الفاظ سے مروی ہے جسے تم قتل کر دو اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور جو خود مر جائے اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا؟ اس آیت کی تفسیر میں سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں مشرکین مسلمانوں کو کہتے تھے تم کس طرح اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہو جسے اللہ مار دیتا ہے تم اسے نہیں کھاتے اور جسے تم ذبح کر لیتے ہو اسے کھاتے ہو؟ اللہ نے فرمایا: **وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ.** اگر تم نے مردار کھانے میں ان کی پیروی کی تو تم مشرک

ہوگے۔مجاہداورضحاک وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. کا مطلب ہے کہ اگرتم نے اللہ کے فرمان اور شریعت کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کی طرف گئے اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم کرلیا تو یہ شرک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ . ترمذی نے اس کی تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے عبادت تو نہیں کی تھی ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صحیح ہے مگر انہوں نے احبار ورھبان کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام مان لیا تھا یہی ان کی عبادت تھی(ابن کثیر:۲/۲۷۵،حدیث ابن ماجه ،ابن ابی حاتم اور حاکم میں صحیح سندوں سے مروی ھے)۔

قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ. یعنی مردار کھانے میں اگرتم نے ان مشرکوں کا کہا مان لیا تو تم مشرک ہوگے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور حرام کردہ کو حلال سمجھ لیا وہ مشرک ہوا جبکہ اللہ نے مردار کو حرام قرار دیا ہے جب اس کو حلال مان لیا تو یہ مشرک ہوگا(تفسیر قرطبی :۷/۷۹)۔

تنبیہ: مذکورہ آیت کی تفسیر میں علماء کے جو اقوال وارد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل ہر دور اور ہر جگہ حق و باطل کو باہم خلط ملط کرتے رہتے ہیں اور احکام شرعیہ کو تبدیل کرنے کے لیے شرعی نام بدل دیتے ہیں جیسے مشرکین نے مردار کو میتۃ کے بجائے ذبیحۃ اللہ کہا یعنی جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا سے چھوڑنا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا کھاتے ہو۔ ممکن تھا کہ یہ بات بعض صحابہ کے دلوں پر اثر کرلیتی کہ اللہ نے انہیں خبر دار کرلیا کہ اہل شرک کی تلبیس دھوکے میں آ کر ان کا کہنا مت ماننا اللہ کے دشمن ہر جگہ ہر مقام پر ایسا کرتے ہیں کہ اہل حق کے لیے دین میں شبہات پیدا کریں اور شرعی نام تبدیل کرکے لوگوں کو گمراہ کریں جس طرح کہ

موجودہ دور میں کچھ لوگوں نے شراب کا نام سکون کا جام رکھا ہے یا کسی نے انگور کا پانی یا انگور کا رس وغیرہ اور بے حیائی، عریانی اور فحاشی کا نام فن رکھا ہے۔ دین سے ارتداد کا نام آزادئ رائے رکھا ہے۔ دین کا مذاق اڑانے کا نام آزادئ صحافت رکھا ہے۔ مسلمانوں کو کفار کے ان حیلوں اور چالوں سے چوکنا رہنا چاہیے اس لیے کہ اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے کسی چیز کے نام کی تبدیلی سے حقیقت نہیں بدلا کرتی اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھیں گے (نسائی۔احمد)۔

شیخ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن جو کہ سب سے بہتر رہنمائی فراہم کرتا ہے اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ کسی اور کی شریعت یا قانون کی پیروی جو کہ شریعت محمدی کے خلاف ہو واضح کفر و شرک ہے ملت اسلامیہ سے خارج کر دینے والا ہے۔ جب کفار نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ جو بکری مر جاتی ہے اسے کون مارتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اللہ مارتا ہے تو انہوں نے کہا جسے تم اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے اور جسے اللہ نے مارا ہے وہ حرام ہے؟ کیا تم اللہ سے زیادہ بہتر ہو؟ تو اللہ نے ان کے بارے میں آیت نازل فرمائی:

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (انعام:۱۲۱)

یہ اللہ کی طرف سے قسم ہے اس بات پر قسم کھائی گئی ہے کہ جس نے مردار کو حلال قرار دینے میں شیطان کی اتباع کی وہ مشرک ہے یہ شرک باجماع مسلمین اسلام سے خارج کر دینے والا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس شرک کے مرتکب سے سختی سے پوچھ گچھ کرے گا کہ:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (یٰسین: ٦٠)

اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (اضواء البیان للشنقیطی: ٣/٤٤١)

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نص قرآنی نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو مسلمان کسی بھی انسان کے بنائے ہوئے خلاف شرع قانون کے کسی جزء پر عمل کرے گا اور شریعت کو واحد حاکم تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا یہ عمل اسے اسلام سے خارج کر کے شرک باللہ کی طرف لے جائے گا اس کے بعد سید قطب رحمہ اللہ نے ابن کثیر رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ کے اقوال ذکر کیے ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور پھر فرماتے ہیں: یہ ابن کثیر اور سدی رحمہما اللہ کے واضح اور صاف اقوال ہیں جو قرآن کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو تفسیر کی ہے اس میں سے یہ ہے کہ جس نے بھی کسی بشر کے بنائے ہوئے کسی قانون کی اطاعت کی اگرچہ چھوٹا سا جزئی قانون ہی کیوں نہ ہو تو یہ شخص مشرک ہے اگر پہلے مسلمان تھا تو اب اس عمل کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو گیا اگرچہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو مگر جب تک وہ غیر اللہ کی اطاعت کرتا رہا اس سے قوانین لیتا ہے (تو اسلام سے خارج ہے) جب ہم اس حکم کی روشنی میں اس وقت دنیا کا منظر دیکھتے ہیں تو ہمیں شرک و جہالت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا اِلّا یہ کہ اللہ نے کسی کو محفوظ کر رکھا ہو (الظلال: ٣/١١٩٧-١١٩٨)۔

④ چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا. (کهف: ٢٦)

اور وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

شنقیطی رحمہ اللہ نے اس کا مطلب بتایا ہے کہ حکم صرف ایک اللہ عزوجل کا ہے کسی اور کا حکم نہیں ہے ۔حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال کہا ہے حرام وہ ہے جسے اس نے حرام کہا ہے دین وہ ہے جسے اللہ نے نازل کیا ہے فیصلہ وہ ہے جو اللہ نے کیا ہے۔اس لفظ کو ابن عامر نے ت کے ساتھ لاتشرک پڑھا ہے جس کا معنی ہے شریک نہ کرو اللہ کے حکم میں کسی کو بلکہ حکم صرف ایک اللہ کے لیے مانو اور شرک سے اس کو پاک رکھو۔اس میں ہر وہ حکم شامل ہے خاص کر قانون وتشریع بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔اس آیت میں جو بات بیان ہوئی ہے کہ حکم صرف ایک اللہ کا ہی ہے وہ دیگر بہت سی آیات میں بھی مذکور ہے مثلاً:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ.(یوسف:٤٠)

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے کہا ہے کہ صرف اسی اللہ کی عبادت کرو۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ.(یوسف:٦٧)

حکم صرف اللہ کا ہے میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے۔

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ.(شوری:١٠)

جس میں تم اختلاف کرو اس کا حکم اللہ کی طرف سے ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ.(غافر:١٢)

بات یہ ہے کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم اس پر یقین کر لیتے ہو حکم صرف ایک بلند اور بڑے اللہ کا ہی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ.(قصص:٨٨)

ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اللہ کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (قصص:۷۰)

اس کی تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اسی کا حکم ہے اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ. (مائدہ:۵۰)

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں (حالانکہ) اللہ سے بہتر حکم کس کا ہے یقین کرنے والی قوم کے لیے؟

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا. (انعام:۱۱۴)

کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی حکم کرنے والا تلاش کرلوں حالانکہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف تفصیلی کتاب نازل کی ہے۔

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں (جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حکم صرف اللہ کا ہی ہے)۔**وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا.** (کہف:۲۶) جیسی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کرنے والے مشرک ہیں یہ بات دیگر آیات میں واضح طور پر بیان ہوئی ہے مثلاً جو شخص مردار کھانے میں شیطان کی اتباع کرتا ہے یہ کہہ کر کہ یہ تو اللہ کا ذبیحہ ہے ایسے لوگوں کو مشرک کہا گیا ہے۔

وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (انعام:۱۲۱)

مت کھاؤ اس میں سے جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یہ فسق ہے بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تم مشرک ہو گے۔

اس میں وضاحت کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ ان کی اطاعت کی وجہ سے مشرک ہیں۔ یہ شرک اطاعت میں ہے اور اللہ کی شریعت کے خلاف قانون کی اتباع کی وجہ سے ہے شیطان کی عبادت سے یہی مراد ہے جیسا کہ اللہ کے فرمان میں مذکور ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِى هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (یسین:۶۰)

اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے کہی گئی بات اللہ نے قرآن میں ذکر کی ہے:

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا. (مریم:۴۴)

ابا جان شیطان کی عبادت نہ کریں بے شک شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا. (نساء:۱۱۷)

یہ عورتوں کو پکارتے ہیں اور شیطان مردود کو۔

یعنی شیطان کی عبادت کرتے ہیں اس کے قانون کی اتباع کر کے۔ اللہ نے اسی وجہ سے ان کو بھی شریک کہا ہے جو معصیات کو مزین کر کے دکھاتے ہیں اور لوگ پھر ان کی پیروی کرتے ہیں۔

وَ کَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ. (انعام:۱۳۷)

اوراس طرح بہت سے مشرکین کوان کے شرکاء نے قتل اولاد مزین کر کے دکھایا ہے۔

نبی ﷺ نے بھی عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں یہ وضاحت کی تھی کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ. (توبۃ:۳۰)

میں جس بات کو رب بنانا کہا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ تحلیل وتحریم میں لوگ احبار ورھبان کی اطاعت کرتے تھے۔سب سے واضح ترین بات جو اس بارے میں کہی گئی ہے وہ سورۂ نساء کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوائے ایمان پر تعجب کا اظہار کیا ہے جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر فیصلے دوسروں کے قوانین کی طرف لیجاتے ہیں (تعجب اس لیے ہے) کہ جب یہ اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لیجاتے ہیں تو پھر ان کا دعوائے ایمان جھوٹا اور بے کار ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا (النساء:۶۰)

کیا آپ (ﷺ) نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) اور آپ (ﷺ) سے قبل نازل شدہ (شریعتوں) پر ایمان لاتے ہیں (اور ساتھ ہی) چاہتے ہیں کہ فیصلہ طاغوت کے پاس لیجائیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم کیا گیا ہے۔۔شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

یہ جو ہم نے آسمانی دلائل ذکر کیے ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول ﷺ پر نازل شدہ شریعت کے خلاف شیطان کے دوستوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کرنے والوں کے کفر

وشرک میں صرف وہ شخص شک کرسکتا ہے جس کی بصیرت ختم ہوچکی ہو اور بصارت وحی کو دیکھنے سے محروم ہو۔ جیسا کہ گزشتہ دلائل سے ثابت ہوگیا کہ قانون بنانا اور شریعت کے تمام احکام ربوبیت کی خصوصیات میں میں سے ہیں تو بھی واضح ہوگیا کہ جس نے بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کے قانون کی اتباع کرلی اس نے اس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرالیا اسے رب بنالیا۔

(اضواء البیان للشنقیطی :۱۳۶/۷-۱۳۷)

اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَم(الاسراء:۹)

بے شک یہ قرآن اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت کے ضمن میں شیخ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب قرآن سب سے صحیح بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو پھر اللہ کے اس قانون کو چھوڑ کر کسی اور کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی صریح اور کھلا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے خادرج کرنے والا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ(مائدہ:٤٤)

جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلاً وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلاَ تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ(انعام:١١٤)

کیا میں اللہ کے علاوہ حکم کرنے والا تلاش کرلوں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل

کتاب نازل کی ہے اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (اضواء البیان للشنقیطی :۳/۴۳۹-۴۴۱)

⑤ پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ وَ اَمْلٰی لَھُمْ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ ۝ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُم(محمد:۲۵)

جو لوگ پیٹھ کے بل پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہوگئی تھی ۔شیطان نے ان کے سامنے (ان کے اعمال) مزین کیے اور انہیں امیدیں دلائیں یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین سے نفرت کرنے والوں سے کہا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مان لیں گے۔اللہ ان کے رازوں کو جانتا ہے اس وقت کیسے ہو جب فرشتے انہیں فوت کرتے وقت ان کے منہ اور پشت کو ماریں گے ۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ بات کی پیروی کی اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اس (اللہ) نے ان کے اعمال برباد کردیئے۔

اللہ نے ان لوگوں کو مرتد اور شیطان کے پیروکار قرار دیا ہے جنہوں نے اللہ کے دین سے نفرت کرنے والوں سے کہا تھا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری مانیں گے اگرچہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔یعنی ان کی اطاعت نہیں کی ۔ جب صرف کفار سے ان کی اطاعت کا وعدہ کرنے والوں کے

لیے یہ حکم ہے تو جو شخص واقعی ان کی اطاعت کرتا ہے بلکہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ان کے نقش قدم پر چلتا ہے ان کا حلیف بنا ہوا ہے ان کو راضی کرنے کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرتا ہے تو اس کے کافر ہونے اسلام سے خارج ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اگر چہ نماز پڑھے ۔روزہ رکھے اور خود کو مسلمان سمجھتا رہے ۔ یہ مسلمانوں کے دشمنوں سے بھی بڑا دشمن ہے ۔اس کے کفر کی دلیل مذکورہ آیت کا حصہ ہے کہ:

ذٰلِکَ بِـاَنَّهُـمُ اتَّبَـعُـوْا مَـآ اَسْـخَـطَ اللّٰهَ وَ كَـرِهُوْا رِضْوَانَـهٗ فَـاَحْبَطَ اَعْمَالَهُم(محمد:۲۵)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ بات کی پیروی کی اور اللہ کی رضامندی سے نفرت کی تو اس نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ اعمال صرف کفر اکبر سے ہی برباد ہوتے ہیں ۔اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمل کفر کی وجہ سے برباد ہوتے ہیں۔اللہ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ يَّرْتَـدِدْ مِـنْـكُـمْ عَـنْ دِيْـنِـهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ(بقرہ:۲۱۷)

جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو اس کے دنیا و آخرت میں اعمال برباد ہو گئے۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ(مائدہ:۵)

جس نے ایمان کا انکار کیا اس کے اعمال برباد ہو گئے۔

ارشاد ہے:

وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ(انعام:٨٨)

اگر یہ لوگ شرک کر لیتے تو ان کے اعمال برباد ہو جاتے۔

فرمان ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ(زمر:٦٥)

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

فرمان ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ(محمد:٩)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کیا تو ان کے اعمال برباد کر دیئے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اعمال کفر سے ہی برباد ہوتے ہیں اس لیے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں مر گیا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا اگر جہنم میں گیا تو پھر وہاں سے نکال لیا جائے گا اور اگر اس کے اعمال برباد ہو گئے تو وہ جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا اعمال کو اس کے منافی امور باطل کرتے ہیں اور ایمان کا منافی کفر مطلق ہے یہ اہل سنت کے مشہور اصولوں میں سے ہے ۔البتہ کچھ بعض اعمال کچھ باتوں کی وجہ سے فاسد ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

ولا تبطلوا اعمالكم بالمن والاذى(بقرہ:٢٦٤)

اپنے اعمال ایذاء اور احسان کی وجہ سے برباد مت کرو۔

اسی لیے اللہ نے اپنی کتاب میں اعمال کو صرف کفر کی وجہ سے برباد قرار دیا ہے۔(الصارم والمسلول على شاتم الرسول لابن تيميه : ٥٥-٥٦)

شیخ سلیمان بن عبداللہ آل شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کا

ارتداد اور شیطان کا ان کے سامنے مزین کرنا یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے دین سے نفرت کرنے والوں سے کہا تھا کہ ہم کچھ باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ جب اللہ کے دین سے نفرت کرنے والے مشرکوں سے ان کی اطاعت کا صرف وعدہ کرنا اگر چہ وعدے پر عمل نہیں کیا پھر بھی کافر قرار پائے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو اللہ کے دین سے نفرت کرنے والے مشرکوں کا باقاعدہ ساتھ دیتے ہیں ان کی موافقت کرتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنے میں اس کی عبادت کو چھوڑ کر شریکوں، طاغوتوں اور مردوں کی عبادت کرتے ہیں کیا یہ لوگ ہدایت پر ہیں؟ کیا اہل توحید کا ان کے ساتھ قتال کرنا غلط ہے؟ اور ان کے باطل دین میں داخل ہونا اور ان سے صلح کرنا صحیح ہے؟ حالانکہ یہ لوگ ان وعدہ کرنے والوں کی بنسبت مرتد کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔(الرسالة الحادية عشرة من مجموعة التوحيد:٣٤٦-٣٤٧)

شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :اللہ کے نازل کردہ دین سے نفرت کرنے والوں کی اطاعت وپیروی کرنا اوراس نفرت پر ان کے ساتھ معاونت کرنا باطل پر ان کی مدد کرنا کفر ہے ایسا کرنے والا کافر ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ(محمد:٢٨)

کیسا ہو جب فرشتے انہیں فوت کریں گے تو ان کے منہ اور پیٹھ پر ماریں گے یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ (طریقے) کی تابعداری کی اور اللہ کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال برباد کردیئے۔

جس نے بھی اللہ کے دین سے نفرت کرنے والے کافروں سے کہا کہ ہم بعض باتوں میں تمہاری

اطاعت کریں گے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور جو شخص ان سے کہے کہ ہم تمہاری ہر بات مانیں گے مثلاً لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کرنے والے اللہ کے دین سے نفرت کرنے والوں کے قوانین کو ماننے والے اس وعید کے زیادہ مستحق ہیں ان لوگوں کو فرشتے ان کے منہ اور پیٹھ پر ماریں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ دین کی اتباع کی اور اس کی رضامندی کی ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال برباد کردیئے۔(اضواء البیان للشنقیطی رحمہ اللہ:۷/۵۸۷-۵۹۰)

شیخ عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ کہتے ہیں کہ:اس آیت کا مطلب ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایمان سے نکل کر کفر کی طرف چلے گئے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی شریعت سے نفرت کرنے والوں سے کہا تھا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری پیروی کریں گے۔جب ایسا کہنے والوں کا انجام یہ ہوا تو پھر ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو نفرت سے آگے بڑھ کر عداوت اور جنگ پر اتر آئے ہیں شریعت اسلامی کا مقابلہ کررہے ہیں اور اللہ کے دین سے نفرت کرنے والوں کی اطاعت تمام معاملات میں کررہے ہیں یہ لوگ تو کفر ارتداد اور دین سے خارج ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔(الطاغوت لعبدالمنعم مصطفیٰ حلیمة :ص۱۹)

⑥ چھٹی دلیل:اللہ کا فرمان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ(آل عمران:۱۴۹)

ایمان والو،اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے اور تم خسارہ کے ساتھ لوٹو گے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم بیان کررہی ہے جو اللہ کے دشمنوں یہود،نصاریٰ

اور مشرکین کی پیروی کرتے ہیں (اللہ فرماتا ہے کہ) یہ لوگ ان مومنوں کو مرتد بنالیں گے اور ایمان کے بعد انہیں کفر کرنے پر آمادہ کرلیں گے۔اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ بہت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ یہ فرمارہا ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرنے والوں اگر تم نبی ﷺ کی نبوت کے منکرین یہود و نصاریٰ کی اطاعت کروگے امر و نہی میں ان کی رائے کو قبول کروگے اور یہ سمجھوگے کہ وہ تمہارے خیر خواہ ہیں اللہ فرماتا ہے وہ تمہیں ایڑیوں کے بل پلٹ دیں گے یعنی ایمان کے بعد کفر پر آمادہ کرلیں گے اللہ اس کے رسول ﷺ اس کی آیات پر کفر کروگے جب کہ اب تم مسلمان ہو۔اور اگر تم نے اس طرح کیا یعنی دین و ایمان سے جس کی طرف اللہ نے تمہاری رہنمائی کی ہے تم پلٹ گئے تو تم نقصان میں رہوگے دین سے گمراہ ہو جاؤ گے ہلاکت میں پڑ جاؤ گے تمہاری دنیا بھی برباد ہوگی اور آخرت بھی ۔ابن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں ۔نقصان سے مراد دین کا نقصان ۔سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر تم نے ابوسفیان کی بات مان لی تو وہ تمہیں کافر بنالے گا۔(تفسیر طبری:۷/۲۷۶-۲۷۷)

اس آیت کی طرح ایک اور بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے وہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ(آل عمران:۱۰۰)

ایمان والو، اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کی تو وہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کافر بنالیں گے۔

طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول کی بات کو سچ ماننے والوں اللہ کی طرف سے نبی ﷺ جو کچھ لائے ہیں اس کا اقرار کرنے والوں اگر تم نے توراۃ و انجیل ماننے والوں میں سے کسی کی اطاعت کی اور ان کا کوئی حکم قبول کرلیا تو وہ تمہیں گمراہ کرلیں گے اور ربّ

کے رسول کی جو تصدیق تم نے کی ہے اور شریعت کا جو اقرار تم نے کیا ہے اس سے پھر تمہیں منکر کافر بنا دیں گے۔(طبری:۷/ ۶۰)

احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اب اس آخری زمانے میں لوگ ان کاموں میں ملوث ہو چکے ہیں جن سے اللہ نے منع کیا تھا یعنی کافروں کی اطاعت سے مگر انہوں نے اپنی عقل و سمجھ ان کے حوالے کر دی ہے بلکہ بعض جگہ تو اپنے ملک و شہر ان کے حوالے کیے ہیں اور اکثر ممالک میں کافروں کے ماتحت اور عایا بن کر زندگی گزار رہے ہیں اور مسلمانوں کے بدترین دشمنوں کے تابع ہیں اپنی گردنوں میں ان کی اطاعت کے پٹے ڈال دیئے ہیں اور ان کو حاکم اور خود کو محکوم کے درجے پر فائز کر لیا۔ بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ اسلام دشمن ملک میں رہنے والے نام نہاد مسلمانوں نے اپنے ملک کی خاطر مسلمانوں سے بھی عداوت رکھی ہے پھر مزید پریشانی و مصیبت یہ ہوئی کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسے حکمران مسلط ہو گئے جو عقیدتاً، عقلی اور روحانی طور پر کفار کا دین اپنائے ہوئے تھے انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ماتحت کیا اور رفتہ رفتہ ان میں اسلام دشمنی کے بیج بونا شروع کیے ممکن تھا کہ یہ حکمران اپنے عوام کو دین سے مرتد کر دیتے ان کی کوشش یہی تھی کہ کوئی مسلمان اسلام پر قائم نہ رہیں یہ لوگ درحقیقت مسلمان ہی نہیں ہیں ۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔(عمدۃ التفسیر:۳/ ۱۵)

دوسری بنیاد (تکفیر کی) اللہ کے حکم پر عدم رضامندی یا اس سے اعراض یا غیر اللہ کی طرف فیصلہ لے جانے کا ارادہ یا عملاً فیصلہ لیجانا۔ تکفیر کی پہلی وجہ، سبب یا بنیاد جو بیان ہوئی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ جس نے غیر اللہ کو اطاعت مطلق کا حق دیدیا اس نے غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنالیا۔ اب ہم تفصیل سے بتائیں گے کہ جو شخص اللہ و رسول ﷺ کے حکم پر راضی و خوش نہیں ہوتا وہ کافر مرتد ہے۔ چاہے وہ اپنی اس عدم رضامندی کا زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے۔ جب اسے اللہ کے

حکم کی طرف بلایا جائے جو اعراض کرتا ہے یا اللہ ورسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف فیصلہ لیجائے یا جاہلیت کے حکم سے فیصلہ کروائے یہ سب کفر ہے جو دین سے خارج کر دینے والا ہے حکم وتشریع کے مسئلہ میں یہ دوسری بنیاد وسبب ہے اس کے دلائل جو پہلے ذکر ہو چکے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① اللہ کا فرمان ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ امَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَعِيْدًا ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيْغًا ۝ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلاَ وَ رَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء:٥٩-٦٥)

ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اور اولی الامر کی اگر تمہارے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف اور آپ سے قبل نازل ہوا ہے اور چاہتے ہیں کہ فیصلے طاغوت کی طرف لیجائیں حالانکہ انہیں طاغوت سے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافی معاملات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ سے یہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

ان آیات میں اللہ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی مطلق اطاعت کریں اور اولی الامر و علماء کی اطاعت شریعت کی اطاعت سے مشروط کر کے کیا کرو① اگر حکمران اور عوام کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس کے حل کے لیے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اللہ نے بتلا دیا کہ اللہ و یوم آخرت پر ایمان کا یہی تقاضا ہے۔پھر اللہ نے ان لوگوں کے دعوائے ایمان پر تعجب کا اظہار کیا ہے جو دعویٰ تو اس بات کا کرتے ہیں کہ وہ

---

①: جن حکمرانوں کی اطاعت کی جائے گی ان کے لیے اللہ نے مسلمان ہونے کی شرط رکھی ہے و اولی الامر منکم کہا ہے یعنی تم مسلمانوں میں سے ہوں لہٰذا اطاعت صرف اس مسلم حکمران کی ہو گی جو اللہ کے دین و شریعت کو قائم رکھتا ہو اگر حکمران کفر کرے وہ اس طرح کہ اللہ کے حکم کو ترک کر دے یا بغیر ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرے یا کفار سے دوستی کرے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے یا اللہ کے دین و شریعت کا مذاق اڑائے تو اس کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اس کی اطاعت سے نکلنا اس کے خلاف بغاوت کرنا لازم ہے۔

اللہ اوراس کے نازل کردہ تمام شریعتوں پر ایمان رکھتے ہیں اوراس دعویٰ کے ساتھ ساتھ وہ فیصلہ طاغوت کے پاس لیجانا چاہتے ہیں کچھ حکمران ایسے بھی ہیں جو اللہ کے احکامات کو تبدیل کرتے ہیں اور غیر اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں ۔پھر اللہ نے یہ بتایا ہے کہ میں نے ان حکمرانوں اورعوام سب کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ہر طاغوت کا انکار کریں جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو۔پھر اللہ نے اپنی قسم کھا کر کہا کہ جب تک اللہ کی شریعت لانے والے محمد ﷺ کو تمام چھوٹے بڑے تنازعات میں فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کرلیں اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے اور پھر اس فیصلے سے کسی کے دل میں تنگی بھی نہ ہو یعنی اس کے ساتھ مکمل رضامندی اللہ کے حکم کو مطلق تسلیم کرنا بھی ہے جو اللہ ورسول ﷺ کے پاس فیصلہ نہیں لے جاتا تو وہ مومن نہیں ہے۔اور جس کے دل میں اس فیصلہ سے تنگی اور حرج ہو وہ بھی مومن نہیں ہے اوراس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اللہ ورسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوجائے اور اللہ ورسول کے حکم کو مکمل طور پر تسلیم نہ کرلے ۔ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: تمام تنازعات واختلافات کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی طرف لوٹادیں اپنے اختلافی امور میں ان سے فیصلہ لیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو تنازعہ میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کے بعد کی آیت ﴿ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ تک اللہ کی طرف سے ان لوگوں پر ردّ ہے جو رسول ﷺ اوران سے پہلے والے انبیاء پر نازل ہونے والے دین پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور فیصلہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف لیجانا چاہتے ہیں ۔اس آیت کے شان نزول کے بارے میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک انصاری کے درمیان تنازعہ ہوا تو یہودی نے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں جبکہ انصاری نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس جاتے ہیں (نعوذ باللہ) بعض نے کہا کہ یہ آیت

منافقوں کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بظاہر اسلام کا دعوے دار تھا۔ یہ چاہتے ہیں کہ جاہلیت کے حکم کے پاس فیصلے لیجائیں آیت کا مفہوم عام ہے ہر اس شخص کی مذمت مقصود ہے جو اللہ ورسول ﷺ کے حکم سے روگردانی کرتا ہے اور ان کے علاوہ باطل کے پاس فیصلہ لے جاتا ہے یہاں طاغوت سے یہی مراد ہے۔ اللہ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جب تک تمام معاملات میں محمد ﷺ کو حکم نہ مان لیا جائے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جو فیصلہ محمد ﷺ کر دیں وہی حق و سچ ہے اسے ظاہراً و باطناً ماننا ہوگا۔

اسی لیے فرمایا ہے کہ ﴿ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ یعنی جب آپ ﷺ کو حکم بنالیں تو پھر باطنی طور پر اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور ظاہری و باطنی دونوں طرح اسے تسلیم کرلیں جیسا کہ حدیث بھی ہے کہ جب تک کسی کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ (ابن کثیر: ۱/۷۸۶-۷۸۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دین و شریعت کے فیصلہ پر رضامندی واجب ہے یہ دین اسلام کی بنیاد اور ایمان کی جڑ ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ اس پر بلاحرج و اختلاف کے راضی ہو اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ ...... اللہ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ جب تک رسول ﷺ کو فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کرلیں اور جب تک دلوں سے تنگی دور نہ کرلیں مومن نہیں ہوسکتے تحکیم اسلام اور دل سے تنگی ختم کرنا ایمان ہے اور تسلیم کرنا احسان ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲/۱۹۲)

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ اپنے رسالہ تحکیم القوانین میں کہتے ہیں: واضح اور کھلا کفر اکبر یہ ہے کہ لعین کے قانون کو روح الامین کے نازل کردہ قانون کے مقام پر رکھ دیا جائے اور اختلافات میں اس کی طرف جایا جائے یہ اللہ کے فرمان کی مخالفت ہے اس لیے کفر اکبر ہے۔ اللہ کا فرمان

ہے:فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً. اللہ نے اس آدمی کے ایمان کی نفی کی ہے جو اختلاف کے وقت محمد ﷺ کو فیصلہ کرنے والا تسلیم نہیں کرتا اور یہ نفی بھی قسم کے ذریعے موکد بنادی گئی ہے کہ :فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (نساء:۵۹-۶۵)۔اللہ نے صرف محمد ﷺ کی تحکیم پر اکتفانہیں کیا بلکہ کہا کہ مکمل طور پر تسلیم کرلیں ۔فرماتے ہیں پانچواں بہت ہی بڑا ہے شریعت سے دشمنی کرنے اس کا مقابلہ کرنے اور اللہ ورسول کی مخالفت کے لحاظ سے اور شرعی احکام کوختم کرنے ،اس سے دشمنی کرنے ،مراجع ومسندات کے لحاظ سے جس طرح کہ شرعی احکام کے مراجع ہیں سب کا مرجع کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی طرف ہے جبکہ ان دیگر فیصلوں کا مرجع وبنیاد مختلف قوانین کا مجموعہ ہے جیسا کہ فرانسیسی ، برطانوی اور امریکی قوانین اور کچھ ایسے بدعتی لوگوں کی آراء جو خود کو مسلمان کہتے ہیں ۔اکثر اسلامی ممالک میں جو عدالتیں ہیں جن کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں اور لوگ بھی ان کی طرف بھاگے جارہے ہیں ان عدالتوں میں کتاب وسنت کے خلاف فیصلے ہورہے ہیں اور ان میں یہ مخلوط قوانین کا مجموعہ رائج ہے اس سے بڑا کفر اب کون سا ہوسکتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مخالفت سے بڑی مخالفت اور کون سی ہوسکتی ہے۔ جتنے بھی ذہین وعقلمند گروہ ہیں وہ کیسے برداشت کرتے ہیں کہ ان پر انہی جیسے یا ان سے کم تر عقل والوں کے قوانین لاگو کیے جائیں ؟ جن کی غلطیاں ان کے صحیح کاموں سے زیادہ ہیں ان کے جتنے بھی فیصلے ہیں ان میں صحیح صرف وہی ہیں جو اللہ ورسول کے احکام سے اخذ کیے گئے ہیں کیا انہیں اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جانوں اور مالوں کے فیصلے کریں اور اللہ ورسول ﷺ کے احکام کو چھوڑ دیا جائے جن میں غلطی کی کوئی گنجائش وامکان نہیں؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے

نازل کردہ ہیں۔اللہ کے احکامات کی تابعداری اپنے خالق کی اطاعت ہے جس طرح سجدہ صرف اللہ کے لیے کرنا ہے عبادت صرف اسی کی کرنی ہے مخلوق کی نہیں اسی طرح حکم بھی صرف اللہ کا ماننا ہے کسی اور کا نہیں اس لیے کہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین میں ظلم ، جہالت،شکوک ،شبہات، جھکاؤ،غلطیاں اورخواہشات کی پیروی پائی جاتی ہے لہٰذا عقلمندوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے قوانین سے اجتناب کریں اس لیے کہ تمام مذکورہ خرابیوں کے ساتھ ساتھ کفر بھی ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (مائدہ:٤٤) جواللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں ۔(تحکیم القوانین :٨-١٠)

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:اس آیت میں اللہ نے مسلم جماعت کے لیے جوسیاسی نظام دیا ہے اورحکومت کی بنیاد لی ہے اس کا ماخذ صرف اللہ کی ذات ہے ۔انسان کی پوری زندگی میں بڑے یا چھوٹے جتنے بھی امور ہوں ان میں حاکمیت صرف اللہ کی ہے اللہ نے شریعت بنائی ہے اسے قرآن میں رکھ کر پیغمبر ﷺ کے ذریعے لوگوں کے پاس بھیجا ہے تا کہ وہ اس کی وضاحت کردیں آپ ﷺ کی سنت اللہ کی شریعت ہے۔جہاں تک اولی الامر کی بات ہے توان کے لیے ضروری ہے کہ ان میں اسلام وایمان ہوان کی اطاعت اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے مشروط ہے اور اس بات سے کہ وہ تشریع وحاکمیت صرف اللہ کے لیے مانتے ہوں اور اپنے متنازعہ معاملات میں اسی کی رجوع کرتے ہوں یہ آیت اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کو بنیاد بناتی ہے اور اولی الامر کی اطاعت ان دونوں کی اطاعت کے تابع رکھتی ہے اس لیے ایمان کی قید وشرط لگاتی ہے۔(الظلال:٢/ ٢٩٠-٢٩١)

آیت میں جولفظ طاغوت ہے اس کی وضاحت اہل علم کے اقوال میں ہوچکی ہے جن کا خلاصہ یہ

ہے کہ طاغوت شیاطین ہیں چاہے انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو بھی خود کو لوگوں کے لیے حاکم وقانون ساز بناتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور جس کی بھی رغبت یا ڈر کی وجہ سے لوگ اطاعت مطلق کریں یا لوگوں کو اس کی دعوت دیں جبکہ طاغوتوں کا سرغنہ وہ ہے جو لوگوں کو توحید واللہ کی اطاعت کے بجائے شرک اور معصیت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ شیاطین کبھی انسانوں میں سے ہوتے ہیں کبھی جنات میں سے طاغوت میں وہ بھی شامل ہے اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے چاہے وہ درخت ہو، پتھر ہو یا قبر ومزار ہو اور قبر یا مزار والا اپنی عبادت پر راضی ہو یا اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہوں۔

طاغوت کے معنی سے متعلق طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے نزدیک طاغوت کے بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اللہ کے احکام سے ہر سرکشی کرنے والا جس کی عبادت زبردستی کروائی جائے یا کوئی کسی کی اطاعت کرے وہ معبود چاہے کوئی انسان ہو یا شیطان ہو، بت ہو یا کوئی بھی چیز ہو۔(تفسیر طبری:۳/۲۱)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنی حد سے تجاوز کرلے چاہے کسی کو معبود مان کر یا اطاعت کر کے۔ ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جس کے پاس وہ اللہ ورسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلے لیجاتے ہیں یا اللہ ورسول کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا اس کا اتباع کرتے ہیں اللہ کی طرف سے بصیرت کے بغیر یا اس کی اطاعت کرتے ہیں ایسے امور میں کہ جانتے نہیں کہ یہ اللہ کی اطاعت ہے۔ یہ ہیں دنیا کے طاغوت جن ان پر اور لوگوں کی حالت پر غور کیا جائے تو اکثریت ایسی ہے جو اللہ کی عبادت چھوڑ کر طاغوت کی عبادت کررہی ہے۔ اللہ ورسول ﷺ کے پاس فیصلے لیجانے کے بجائے طاغوت کے پاس لیجاتے ہیں اللہ کی اطاعت اور

رسول ﷺ کی اتباع چھوڑ کر طاغوت کی اطاعت وتابعداری کر رہی ہے۔

(اعلام الموقعین:۱/۵۰)

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: طاغوت بہت سارے ہیں ان کے سرغنہ پانچ ہیں جن میں سے ایک ظالم حکمران ہے جو اللہ کے احکام کو تبدیل کرتا ہے دلیل ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآ اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْآ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا. (النساء:۶۱)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ سے قبل انبیاء پر نازل ہوا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ طاغوت کے پاس لیجائیں حالانکہ انہیں طاغوت کے انکار کا حکم کیا گیا ہے شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

جو اللہ کے نازل کردہ دین کے بجائے کسی اور طریقے سے فیصلہ کرتا ہو وہ بھی طاغوت ہے دلیل ہے: **وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ** (مائدہ:۴۴)۔ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان تبھی مومن بنتا ہے جب وہ طاغوت کا انکار کردے دلیل ہے:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. (البقرہ:۲۵۶)

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹتا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (الجامع الفرید:۲۵-۲۶)

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاغوت ہر وہ حکمران ہے جو حکمرانی میں اللہ کے دین سے مدد

نہ لیتا ہواور ہر وہ فیصلہ کرنے والا طاغوت ہے جو حق سے تجاوز کرتا ہے اور اللہ کی بادشاہت کی مخالفت کرتا ہے اس کی الوہیت وحاکمیت کی مخالفت اور اس سے سرکشی سب سے بڑی سرکشی ہے۔(الظلال: ۱/ ۲۹۲)

شیخ محمد حامد الفقی طاغوت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :سلف کے اقوال کا خلاصہ اس بارے میں یہ ہے کہ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو بندے کو اللہ کی عبادت دین اور اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے روک دے چاہے یہ شیطان جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے چاہے یہ درخت ہو یا پتھر۔اس میں وہ داخل ہے جو اسلام کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو یہ قوانین جو انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں مال وجان اور عزتوں کے فیصلے ان کے مطابق کیے جاتے ہیں ان کے ذریعے سے اللہ کے احکام وقوانین کو باطل کیا جاتا ہے مثلاً حدود کا قیام۔شراب وسود کی حرمت وغیرہ جنہیں یہ قوانین جائز قرار دیتے ہیں اور ان کا تحفظ کرتے ہیں ۔یہ قوانین خود بھی طاغوت ہیں ان کے بنانے والے ان کو نافذ کرنے والے سب طاغوت ہیں یہ اس حق سے لوگوں کو ہٹانا چاہتے ہیں جو رسول ﷺ لے کر آئے ہیں چاہے اس کا قصد ہو یا نہ ہو یہ طاغوت ہیں۔(هامش فتح المجيد:٢٨٧)

شیخ حمود التویجری مشرکین کی مشابہت سے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے بری مشابہت جس میں اکثریت مبتلا ہے وہ ہے احکام شرعیہ کو ترک کر دینا ہے اور ان کے بدلے میں طاغوتی نظام اور انگریزوں کے قوانین کو اپنانا یا انگریزوں کی مشابہت جو کہ ہر لحاظ سے شریعت محمدیہ کے خلاف ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ. (مائدہ: ۵۰)

کیا یہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں جبکہ یقین کرنے والی قوم کے لیے اللہ سے بہتر قوانین بنانے والا کون ہے؟

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔

اس مشابہت کی وجہ سے بہت سے لوگ دین سے منحرف ہو چکے ہیں کچھ کم زیادہ انحراف کے مرتکب ہیں بلکہ اب تو بہت سو کے مرتد ہونے اور دین سے مکمل طور پر خارج ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔(الایضاح والتبیین:۲۸)

② دوسری دلیل: اللہ کا فرمان ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ. (مائدہ: ۵۰)

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم تلاش کر رہے ہیں اللہ سے زیادہ بہتر قانون کس کا ہو سکتا ہے یقین کرنے والی قوم کے لیے۔

یہ اس آیت اس بات واضح دلیل ہے کہ احکام وہی ہیں جو اللہ نے نازل اور اس کتاب میں محفوظ ہیں جس میں دائیں بائیں کہیں سے باطل نہیں آ سکتا جو نور ہے ہدایت ہے دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔اسی طرح نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت شدہ سنت بھی اللہ کے حکم کے بموجب واجب الاتباع ہے۔اگر احکام اللہ کے دین کے تابع نہ ہوں تو وہ جاہلیت کے احکام ہیں جو کسی کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے کسی کو اندھے پن سے نجات نہیں دے سکتے بلکہ یہ خود اندھے

ہوتے ہیں بلکہ یہ اپنے ماننے والوں کو روشنی سے اندھیروں کی طرف لیجاتے ہیں بلکہ یہ تو اندھیروں پہ اندھیرے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓؤُھُمُ الطَّاغُوْت یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ(بقرہ:۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے جبکہ کافروں کا دوست طاغوت ہے جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لیجاتا ہے۔

جس نے اللہ کا حکم چھوڑ دیا وہ جاہلیت کے اندھے احکام کا محتاج ہوجاتا ہے چاہے وہ اس کا ارادہ کرے یا نہ کرے (چاہے یا نہ چاہے) علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ کا حکم چھوڑ دیا اور دیگر قوانین کی طرف فیصلہ لے گیا تو اس نے اللہ اور اس کے دین کے ساتھ کفر کرلیا۔ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ان لوگوں کی مذمت کررہا ہے جو اللہ کے ان احکام کو ترک کرتے ہیں جن میں ہر قسم کی بھلائی موجود ہے اور ہر قسم کے شر سے پاک ہے اس کو چھوڑ کر دیگر آراء وخواہشات کی طرف جاتا ہے جنہیں لوگوں نے شریعت کے سہارے کے بغیر وضع کیا ہے جس طرح کہ اہل جاہلیت ان گمراہ کن آراء واقوال کے مطابق فیصلے کرتے تھے ان کے اپنے وضع کردہ ہوتے تھے اور جس طرح کہ تاتاری چنگیز خان کی کتاب الیاسق پر عمل پیرا تھے جو کہ مختلف شرائع یہودیت،نصرانیت اور اسلام سے اخذ شدہ قوانین پر مشتمل کتاب تھی۔اس میں بہت سے احکام خالص چنگیز خان کے ذہن کی اختراع پر مشتمل تھے۔اس کی تاتاری اتباع کرتے تھے اور اسے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ پر مقدم رکھتے تھے۔جس نے بھی ایسا کیا وہ کافر ہے اس سے قتال واجب ہے جب تک کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف نہ آجائے اور ہر چھوٹے

بڑے معاملے میں انہی کی طرف رجوع کرے۔(ابن کثیر:۲/۱۰۷)

انہوں نے کتاب الیاسق کا تذکرہ کیا جو چنگیز خان نے مرتب کی تھی اور اس کے بیٹوں نے اسے قانون بنالیا تھا اس کے مطابق حکومت کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمان ہونے کے بھی دعویدار تھے۔ پھر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سب میں انبیاء پر اللہ کی نازل کردہ شریعتوں کی مخالفت ہے۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ محکم شریعت کو چھوڑ دیا اور دیگر منسوخ شدہ شرائع کی طرف فیصلہ لے گیا تو وہ کافر ہو گیا۔ جب منسوخ شدہ آسمانی شریعتوں کی طرف فیصلہ لے جانا کفر ہے تو اس کے بارے میں کیا کہیں گے جو الیاسق کی طرف فیصلہ لیجاتا ہے؟ جس نے ایسا کیا وہ باتفاق مسلمین کافر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ. (مائدہ:۵۰)

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں کون ہے اللہ سے زیادہ بہتر حکم کرنے والا یقین کرنے والی قوم کے لیے۔

فرمان ہے:

فَلاَ وَ رَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(نساء:۵۹-۶۵)

تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے متنازعہ امور میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ پائیں اور مکمل طور پر تسلیم کرلیں۔ (البدایہ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱۹/۳۱)

محمد حامد الفقی کہتے ہیں: **اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ** آیت سے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر کے

بارے میں کہتے ہیں کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الیاسق کے مطابق حکومت وفیصلے کرنے کی وجہ سے تاتاریوں کو کافر کہا ہے۔اس بارے میں شیخ الفقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس جیسا یا اس سے بدترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے فرنگیوں کے قوانین اپنا لیے ہیں اور جان و مال اور عزتوں کے فیصلے ان کے مطابق کرتے ہیں اور انہیں کتاب وسنت پر مقدم رکھتے ہیں تو یہ لوگ بلا شک وشبہ کافر و مرتد ہیں جب تک ان احکام پر قائم ہیں اور اللہ کے نازل کردہ دین کی طرف رجوع نہیں کرتے ایسی حالت میں یہ لوگ خود کو کچھ بھی کہیں یا کوئی بھی ظاہری عمل کریں مثلاً نماز روزہ وغیرہ (کوئی فائدہ نہیں ہوگا)۔(حاشیہ فتح المجید:٤٠٦)

احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ابن کثیر رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوی کے ضمن میں) کیا اس کے ساتھ یہ جائز ہے کہ شریعت محمدی کی موجودگی میں مسلمان اپنے ممالک میں بے دین یورپ کے قوانین اپنائیں جو صرف باطل آراء وخواہشات پر مبنی ہیں اور جب چاہتے ہیں جیسے چاہتے ہیں ان میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں اس کی پرواہ کیے بغیر کہ یہ شریعت کے موافق ہیں یا مخالف۔تاریخ کے کسی دور میں مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا سوائے تاتاریوں کے دور کے جو کہ ظلم و جور کا بدترین دور تھا۔اس کے باوجود وہ مسلمان اس کے سامنے نہیں جھکے بلکہ تاتاریوں پر اسلام غالب آ گیا اور وہ شریعت اسلام کے تابع ہوگئے ان تاتاریوں کے اس عمل کا اثر زائل ہوگیا اس لیے کہ مسلمان اپنے دین وشریعت پر قائم رہے یہ ظالمانہ حکم حکمرانوں کے ہاں رائج تھا عام مسلمانوں نے نہ اسے سیکھا نہ اس پر عمل کیا اس لیے یہ قانون (الیاسق کا) بہت جلدی ختم ہوگیا۔ابن کثیر نے آٹھویں صدی میں بنائے جانے والے قانون کے خلاف کتنا مضبوط موقف اپنایا ہے وہ قانون جو اسلام کے دشمن چنگیز خان نے بنایا تھا آٹھویں صدی کے اس چنگیزی قانون کی طرح ہم چودہویں صدی میں مسلمانوں کا حال دیکھ رہے ہیں دونوں ادوار میں فرق یہ ہے کہ اس آٹھویں

صدی میں یہ خودساختہ قانون صرف حکمرانوں تک محدود تھا اس لیے جلدی ختم ہوگیا اس کے مسلمان مزید ظالم ہوگئے اور اندھیروں میں بھٹک گئے کہ انہوں نے کافروں کے قوانین کو اپنالیا جوالیاسق کی طرح ہی کافر کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ جوقوانین لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں خودکو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمان ہی انہیں سیکھتے ہیں اور نسل درنسل اس پر فخر کرتے آرہے ہیں اپنے تمام امور کے فیصلے انہی قوانین کے مطابق کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جولوگ شریعت اسلامی اور دین کواپنائے ہوئے ہیں انہیں یہ لوگ جامداور رجعت پسند کہتے ہیں ان لوگوں نے توباقی ماندہ اسلامی احکام میں بھی مداخلت شروع کررکھی ہے انہیں بھی اپنے جدیدالیاسق سے بدلنا چاہتے ہیں اس کے لیے مختلف حیلے بہانے اور تراکیب اختیار کررہے ہیں حالانکہ انہیں اس بات پر شرم نہیں آتی کہ یہ حکومت کو دین سے دور کرتے جارہے ہیں کیا کسی مسلمان کے لیے ایسی حالت میں اس طرح کا دین جدید کواپنانا جائز ہے؟ یعنی موجودہ خودساختہ نئے قوانین؟ یاکسی باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کوان قوانین کوسیکھنے کے لیے بھیجے؟ یا ان کواپنانے ان کا اعتقادرکھنے ان پرعمل کرنے کے لیے کہے؟ کیا ایسا کرنے والا باپ جاہل نہیں ہوگا؟ یاکسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ اس دور کے یاسق کے لیے قاضی کا عہدہ قبول کرے اس پرعمل کرے اورشریعت اسلامی سے اعراض کرے؟ میرانہیں خیال کہ کوئی ایسا مسلمان جواپنے دین سے واقفیت رکھتا ہواور اس پراجمالی وتفصیلی ایمان رکھتا ہوکہ یہ قرآن اللہ نے اپنے نبی ﷺ پرنازل کیا ہے اس میں کہیں سے باطل نہیں آسکتا اور یہ بھی ایمان رکھتا ہوکہ نبی ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور یہ ہرحال میں واجب ولازمی ہے۔ میراخیال ہے کہ یہ کام وہی مسلمان کرسکتا ہے جواسلام کے بارے میں متردد ہو یا تاویل کرنے والا ہو ورنہ توان حالات میں قاضی کا عہدہ قبول کرنا بہت ہی غلط اور ناحق کام ہے جس کوکسی بھی لحاظ سے صحیح اور جائز قرار

نہیں دیا جا سکتا۔ان وضعی قوانین میں کفر صریح واضح طور پر نظر آتا ہے کسی مسلمان کے لیے ان پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے لہٰذا ہر شخص کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے ہر شخص اپنے آپ کا ذمہ دار ہے۔علماء کو چاہیے کہ بغیر کسی خوف وملامت کے ڈر کے واضح طور پر بیان کریں اور اللہ کا صحیح دین لوگوں تک پہنچائیں اس میں کوتاہی نہ کریں۔(عمدة التفسير: ٤/١٧٣-١٧٤)

احمد شاکر کے اس واضح قول پر غور کریں تو وضعی طاغوتی قوانین کا حکم اور حقیقت سامنے آجاتی ہے اور ان احکام وقوانین کو صحیح سمجھنے والوں کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے۔اسی طرح تاتاریوں اور موجودہ دور کے مسلمانوں کے درمیان موجود فرق بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس دور کے مسلمان دین اسلام کو اپنائے ہوئے تھے اپنے عقیدے کو انہوں نے محفوظ رکھا تھا وہ خودساختہ قانون الیاسق پر عمل نہیں کرتے تھے صرف تاتاری اس پر عمل پیرا تھے جبکہ موجودہ دور کے حکمرانوں نے تمام لوگوں کو وضعی کفری قوانین پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرلیا ہے اور اس قانون کو عدالتوں میں سب سے اعلیٰ قانون کا درجہ دے رکھا ہے حکومتیں بدلتی رہتی ہیں مگر قوانین میں تبدیلی نہیں ہوتی ہر حکومت ہی کفریہ قوانین جاری رکھتی ہے۔جب موجودہ دور اور تاتاری دور کے لوگوں کا فرق معلوم ہوگیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ موجودہ دور کے لوگ شریعت اسلامی پر زیادہ ظلم کررہے ہیں اور جن تاتاریوں کے کفر پر علماء کا اجماع ہے ان سے زیادہ یہ لوگ کفر کررہے ہیں۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایسے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں مگر انہوں نے شریعت اسلامی کو حالات کے تقاضوں کا بہانہ کرکے ترک کردیا ہے۔یہ کس طرح جائز ہے کہ لوگ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ اتار چکے ہیں اور شریعت اسلامی کو مکمل طور پر چھوڑ چکے ہیں اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر گویا انہوں نے اس کی الوہیت کو چھوڑ دیا ہے زندگی کے تمام معاملات سے شریعت کا خاتمہ کرلیا ہے۔

(الظلال:۲/۹۰۱-۹۰۲)

شیخ عبدالطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ دیہاتوں اور گاؤں گوٹھوں کے لوگ جو اپنے آباءواجداد کے رسوم ورواجوں کے مطابق فیصلے کرتے ہیں کیا ان پر کفر کا حکم لگتا ہے؟ جبکہ انہیں شریعت کا علم ہوا نہوں نے جواب دیا کہ جاننے کے باوجود اگر کوئی شخص کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے علاوہ کسی اور طرف فیصلہ لے جاتا ہے تو وہ کافر ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ (مائدہ:٤٤)

جو اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰہِ یَبۡغُوۡنَ (آل عمران:۸۳)

کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کررہے ہیں۔

ارشاد ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّھُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡٓا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡٓا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا. (النساء:٦١)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ سے قبل نازل ہونے والی (شریعتوں) پر ایمان لائے ہیں حالانکہ یہ چاہتے ہیں کہ فیصلے طاغوت کے پاس لیجائیں جبکہ انہیں طاغوت سے انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمان ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ(نحل:٣٦)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو ان سے کہتا تھا کہ)اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

اس طرح کی آیات اور بھی بہت سی ہیں۔(الدررالسنية فی الاجوبة النجدية عبدالرحمن بن قاسم:٨/٢٤١)

شیخ حمد بن عتیق النجدی رحمہ اللہ نواقض اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چودھواں ناقض اسلام ہے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے بجائے کسی اور کی طرف فیصلہ لیجانا پھرانہوں نے ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول جوکہ **افحکم الجاهلية** کےتحت ہے کا ذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس کی مثال ہے جیسا کہ گاؤں دیہاتوں میں لوگ اپنے آباء واجداد کے بنائے ہوئے ملعون قوانین ورسوم رواج کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اورانہیں وہ کتاب اللہ وسنت رسول پر مقدم کرتے ہیں جس نے ایسا کیا وہ کافر ہےاس کے ساتھ قتال واجب ہے جب تک وہ اللہ ورسول ﷺ کے حکم کی طرف نہ آجائے۔(مجموعة التوحيد:٢١)

③ تیسری دلیل: اللہ کا فرمان ہے۔

وَ اِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ اِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْآ اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ۝ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْآ اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ رَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ(نور:٤٨-٥٠)

اور جب انہیں اللہ ورسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے مابین

فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ اعراض کرتا ہے اگر ان کا حق ہو تو یہ اس کی طرف
فوراً آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک کرتے ہیں یا اس بات سے
ڈرتے ہیں کہ اللہ ورسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ یہ لوگ ظالم ہیں۔

یہ آیت اللہ کی طرف سے بیان اور محکم قرآنی نص ہے جو تاویل بھی قبول نہیں کرتا کہ جس نے بھی اللہ کا حکم قبول نہیں کیا جب اسے بلایا گیا تو وہ کافر ظالم ہے کبھی کبھی اللہ ورسول ﷺ کے پاس فیصلہ نہ لیجانے کی وجہ دل کا مرض (نفاق) ہوتا ہے جو اسے کتاب وسنت کے حکم کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے۔ یا اسے اللہ کے حکم میں شک ہوتا ہے یا وہ ڈرتا ہے کہ اللہ اس پر ظلم کرے گا کوئی بھی وجہ ہو یہ اعراض وروگردانی کفر وظلم ہے اللہ کے دین سے خروج ہے۔ اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ یہ لوگ اللہ ورسول کے پاس اس وقت جلدی فیصلہ لیجاتے ہیں جب یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا ایسی صورت میں تحاکم الی اللہ ایمان نہیں ہے اس لیے کہ یہ اللہ کی شریعت کو ماننے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے مقصد کے حصول کی وجہ سے اللہ کے حکم کی طرف آتے ہیں ان کا بھی حال اعراض کرنے والوں کی طرح ہے کہ کفر، ظلم اور نفاق میں مبتلا ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ نے ان منافقین کی خبر دی ہے جو دل میں کچھ رکھتے ہیں اور زبانوں سے کچھ ظاہر کرتے ہیں: **وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ.** (نور) ہم اللہ ورسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ان میں سے ایک گروہ پلٹ جاتا ہے۔ یعنی ان کے قول ان کے عمل کے خلاف ہیں اس لیے جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اللہ نے فرمایا: **وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** (نور:۴۷)۔ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور فرماتا ہے: **وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ.** (نور) جب انہیں فیصلے کے لیے اللہ ورسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی جب ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر

جو ہدایت نازل کی ہے اس کی پیروی کروتو اعراض کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کی اتباع سے تکبر کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ**. (نساء) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کا دعویٰ ایمان کا ہے آپ پر اور آپ سے قبل نازل ہونے والی شریعتوں پر۔ **رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا**. (نساء) آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔اور فرمان ہے: **وَ اِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْآ اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ**. (نور) اگر ان کا حق ہو تو دوڑے آتے ہیں۔یعنی اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو ان کے خلاف نہ ہو تو آپ کی بات سنتے بھی ہیں مانتے بھی ہیں اور اگر فیصلہ ان کے خلاف ہو تو اعراض کرتے ہیں اور نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کے پاس فیصلہ لیجانا چاہتے ہیں تا کہ ان کا باطل نظریہ رواج پا سکے۔اس طرح پہلی دفعہ میں اس کا جھکاؤ اس اعتقاد کی وجہ سے نہیں ہوتا کہ یہ حق ہے بلکہ اس کی خواہش کے مطابق ہونے کی وجہ سے یہ جھکتا ہے۔جب حق اس کی خواہش کے خلاف ہو تو یہ اسے چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ان کے دل میں مرض ہے یعنی ان میں سے ایک بات ضرور ہے کہ یا تو دل میں نفاق ہے یا دین کے بارے میں ان کو شک ہے۔یا انہیں یہ ڈر ہے کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کرلیں گے۔ان میں سے کوئی بھی بات ہو یہ خالص کفر ہے۔اللہ ان کی ہر بات سے واقف ہے ان کی کوئی بھی صفت اس سے پوشیدہ نہیں ہے اللہ نے انہیں ظالم، فاجر کہا ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کے اس وہم، خیال یا باطن سے بری ہیں کہ ان پر ظلم یا ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے۔(ابن کثیر:۱/۳،قرطبی:۱۲/۳۱۹،طبری:۱۸/۱۵۵، فتح القدیر للشوکانی:۴/۴۵)

ان تفصیلات سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور کی طرف فیصلہ لیجانا کفر ہے اسلام سے مکمل طور پر خارج کر دینے والا ہے جو شخص انسانوں کے وضع کردہ ان شرائع وقوانین کی

طرف فیصلے لیجاتا ہے جو اللہ کی شریعت کے مطابق نہیں ہیں تو یہ شخص کافر مرتد اللہ کے دین وشریعت سے خارج ہے اگر چہ اپنی خواہش اور مقصد کے لیے کبھی شریعت کی طرف بھی فیصلہ لیجاتا ہو۔اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے ،اپنے دین کی حفاظت کرنے ،کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ ان وضعی قوانین کے پاس فیصلہ لیجائے یا قاضی یا وزیر بن کر ان قوانین کے نفاذ میں کردار ادا کرے ورنہ اللہ کے غصے اور غضب کا مستحق قرار پائے گا۔ بلکہ ہر مسلمان پر اپنی استطاعت کے مطابق یہ واجب ہے کہ ان قوانین کو ختم کرنے اور ان حکمرانوں کی تابعداری سے خروج کی کوشش کرے یہ ہر مسلمان پر اس کی استطاعت کے مطابق لازم ہے۔

تیسری بنیاد یا وجہ: اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلہ وحکومت نہ کرنا یا اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنا اللہ ورسول کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کے مسئلے پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے اور اس میں اختلاف بھی زیادہ ہے جو اب تک چلا آرہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو آدمی اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ ترک کر دیتا ہے اور کسی اور کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کیا اسے کافر کہا جا سکتا ہے؟ یا اس کے ساتھ یہ اعتقاد ملانا ضروری ہے کہ شریعت اسلامیہ میں صلاحیت نہیں ہے یا ان کا انکار کرتا ہے یا یہ اعتقاد کے شریعت اسلامی کے بجائے دیگر قوانین زیادہ بہتر ہیں اور کیا وہ کفر جس کا ذکر دلائل میں موجود ہے اس سے مراد کفر اکبر جو اسلام سے خارج کرنے والا ہوتا ہے یا اس سے مراد کفر اصغر ہے جو اسلام سے خارج کرنے والا نہیں ہوتا ۔اور کیا اس مسئلہ سے متعلق مذکور دلائل صرف اہل کتاب سے متعلق ہیں یا اس میں مسلمان بھی داخل ہیں۔اس بارے میں سلف کے اقوال دو طرح کے ہیں:

① بعض علماء نے تو حالات اور واقعات سے بحث کی ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ

حکمران اگرچہ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر دوسرے احکام وقوانین تو نہیں بنا رہے مگر اللہ کے احکام کے نفاذ میں کوتاہی کر کے ظلم وزیادتی کے مرتکب ہو رہے ہیں خوارج وغیرہ نے اپنے نظریے کے مطابق ان کو بھی کافر کہنے کا ارادہ کیا اس لیے کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اہل قبلہ میں معاصی کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے مگر دیگر علماء نے ان حکمرانوں کی تکفیر نہیں کی انہوں نے اس بات کو مدنظر رکھا کہ ان حکمرانوں کے مفید کام زیادہ ہیں ان کا اللہ پر ایمان ہے اہم ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں خاص کر حدود اللہ کا قیام اور جہاد فی سبیل اللہ اگرچہ بعض امور میں یہ معاصی کے مرتکب ہیں مگر وہ معاصیات کافر بنا دینے والی نہیں ہیں۔ان حکمرانوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ جو بغیر ما انزل اللہ کے زمرے میں آتا ہو یا اللہ کی شریعت میں تبدیلی قرار پاتا ہو بنسبت ہمارے دور کے حکمرانوں کے،اُس دور کے حکمرانوں کا زیادہ سے زیادہ یہ قصور تھا کہ انہوں نے کچھ کام ظلم و جور اور معصیت کے کیے۔کچھ لوگوں نے ایسے علماء کی آراء کہ جن کی رو سے یہ حکمران کافر قرار نہیں پاتے تھے کو اچھالا اور اس کا وہ مقصد لے لیا جو تھا نہیں یعنی اس فتویٰ یا رائے کو ہر اس آدمی کے لیے قرار دیا جو اللہ کے حکم وشریعت سے روگردانی کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان فیصلے قوانین وضعیہ کے مطابق کرتا ہے ایسے قوانین وضعیہ جو اپنے اصول وفروع کے لحاظ سے اللہ کے دین اور حکم سے متصادم ہیں،حالانکہ یہ طریقہ صحیح نہیں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر رائے اور بات کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا چاہیے۔

دوسری رائے اس مذکورہ رائے کے برعکس ہے یہ رائے ہے خوارج کی رائے کی طرح جو کہ مسلمانوں کو معصیت کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو بھی اللہ کی اطاعت سے نکل گیا اس نے بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کر لیا اسی بنیاد پر انہوں نے ہر اس آدمی کو کافر قرار دیدیا جسے کسی گناہ یا معصیت کا مرتکب پایا۔جبکہ حق تفریط وافراط کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا بغیر استحلال کے کسی

گناہ کا ارتکاب کفر نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر وہ شخص مسلمان قرار پائے جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ دیتا ہے اور لوگوں کے فیصلے بغیر ما انزل اللہ کرتا ہے بلکہ وہ کافر ہے جیسا کہ پہلے دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے اور کچھ مزید دلائل آگے آئیں گے جہاں تک اہل علم کے اقوال کا باہم متعارض ہونا ہے تو اس میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگوں کے احوال کے حساب سے اختلاف ہے جس نے اللہ کے نازل کردہ دین وشرع کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا اور لوگوں کے مابین فیصلے بغیر ما انزل اللہ کرنے لگا یا اللہ کی شریعت کو بدل دیا اور اس شرع وقانون کو اپنایا جو انسانی ذہن کی اختراع ہے تو یہ شخص کافر ہے مکمل طور پر اسلام سے خارج ہے چاہے تبدیلی کم ہو یا زیادہ ہو اور اگر یہ شخص مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے البتہ جس نے حکم شرعی کو ساقط کرنے کے لیے ایسا حیلہ کیا بظاہر یہ اس حکم کا ردّ نظر نہیں آرہا تو یہ کفر اکبر کا مرتکب نہیں ہے اسی کے لیے کفر اصغر کا قول استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک قاضی کے پاس کسی زانی کو لایا جاتا ہے جس پر حد واجب ہو چکی ہے مگر قاضی حیلہ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ ملزم زنا کے حکم سے لاعلم تھا اور جو حکم سے لاعلم ہو اس پر حد قائم نہیں ہوتی۔ یا کسی چور کو لایا جاتا ہے تو قاضی یا حاکم یہ حیلہ کرتا ہے کہ چور نے غیر محفوظ مال اٹھایا ہے یا بھوک سے ہلاکت کا خطرہ تھا اس لیے اس نے کھانے کے لیے چوری کی ہے اس طرح چور سے حد ساقط ہو جائے گی اب ان صورتوں میں تو بظاہر قاضی وحاکم نے شرعی قوانین پر عمل کیا جو حد کے قیام سے متعلق تھے لیکن درحقیقت باطن میں اس نے ایسا حکم شرعی ساقط کر دیا جس کا قائم کرنا واجب تھا۔ اس طرح کے حیلے پہلے دور میں بھی ہوتے تھے جن میں سے ایک مثال ابو ہلال عسکری نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ کہتے ہیں: فیصلہ کرنے میں سب سے پہلے بے انصافی یا ظلم کرنے والا قاضی بلال بن ابی بردہ ہے ابو احمد نے بتایا کہ ایک آدمی بلال بن ابی بردہ کے پاس ایک مقروض کو لایا اور اس مقروض نے قرض کا اقرار بھی کر لیا مگر بلال مقروض پر

مہربان تھا(کسی وجہ سے)مدعی نے کہا کہ یا تو یہ شخص ہمیں ہمارا قرضہ واپس کرے یا اسے قید کرلیا جائے جبکہ یہ اقرار کرچکا ہے۔بلال نے کہا یہ مفلس ہے۔مدعی نے کہا اس نے تو نہیں کہا کہ میں مفلس ہوں۔بلال نے کہا اس کا کہنا ضروری نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ یہ مفلس ہے اگرتم چاہوتو میں اسے قید کرلیتا ہوں اوراس کے گھر والوں کے اخراجات تم برداشت کرتے رہو۔مدعی نے اپنا کیس واپس لے لیااور چلا گیا۔بلال نے اپنے ظلموں کی وجہ سے مشہور تھا۔(الاوائل لابی هلال العسكرى: ٢٤٦،وخيات الاعيان:٧/١٠١)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :بلال بن ابی بردہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا اور خالد بن عبداللہ القسری کا دوست تھا تو عبداللہ نے اسے بصرہ کا قاضی مقرر کردیا۔اور جب ہشام بن عبدالملک والی بنااس وقت بھی یہ قاضی رہا جب تک کہ یوسف بن عمر الثقفی نے اسے قتل نہ کردیا جب وہ خالد کے بعد والی بنا تھا اوراس نے خالد کو اوراس کے جن عمال کو سزا دی تھی ان میں بلال بھی تھا یہ ۱۲۰ھ کی بات ہے اس کے فیصلے قابل تعریف نہیں تھے ناپسندیدہ تھے یہ کہتا تھا کہ دوآدمی میرے پاس کوئی تنازعہ لے کرآتے ہیں تو جوآدمی میرے دل کو اچھا لگے میں اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں یہ قول ابوالعباس المبرد نے الکامل میں نقل کیا ہے۔(فتح البارى:١٤٢/٣١،تحقيق سير اعلام النبلاء للذهبى)

یہ لوگ کہتے تھے کہ بلال پہلا شخص ہے جس نے فیصلہ کرنے میں ظلم کرنا شروع کیا۔ایسے لوگوں کے بارے میں قول کفر دون کفر اور فسق دون فسق استعمال ہوتا ہے اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق دی جاسکتی ہے اور تضاد ختم ہوجاتا ہے۔اسی طرح اس میں ہر وہ تاویل شامل ہے جو احکام شریعت کے خلاف کی جائے اور کرنے والا اسے صحیح سمجھتا ہو حالانکہ وہ صحیح نہ ہو اس پہلی والی قسم کے لیے کفر اکبر وفسق اکبر وظلم اکبر کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس تطبیق کی صورت عنقریب واضح

ہو جائے گی جب ہم سلف واہل علم کے اقوال پیش کریں گے۔

① پہلی دلیل: اللہ کا فرمان ہے۔

يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لاَ يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْم بَعْدِ ذٰلِكَ وَ مَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَ لاَ تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

اَنۡـزَلَ اللّٰہُ فَـاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ وَ قَـفَّیۡـنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمۡ بِعِیۡسَی ابۡنِ
مَـرۡیَـمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ التَّوۡراٰۃِ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ فِیۡہِ ھُدًی وَّ نُوۡرٌ
وَّ مُـصَـدِّقًـا لِّـمَـا بَیۡـنَ یَدَیۡہِ مِنَ التَّوۡراٰۃِ وَ ھُدًی وَّ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝ وَ
لۡیَـحۡـکُـمۡ اَھۡـلُ الۡاِنۡجِیۡلِ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ وَ اَنۡـزَلۡـنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُھَیۡمِنًا عَلَیۡہِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَاتَتَّبِعۡ
اَھۡوَآءَ ھُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡھَاجًا وَ
لَـوۡ شَـآءَ اللّٰہُ لَـجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَآ اٰتٰکُمۡ فَاسۡتَبِقُوا
الۡـخَیۡراٰتِ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۝
وَ اَنِ احۡـکُـمۡ بَیۡـنَھُـمۡ بِـمَـآ اَنۡـزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَ ھُمۡ وَاحۡذَرۡھُمۡ اَنۡ
یَّـفۡتِـنُـوۡکَ عَنۡ بَعۡضِ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ
اَنۡ یُّـصِیۡبَھُـمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِھِمۡ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ۝ اَفَحُکۡمَ
الۡـجَـاھِـلِیَّۃِ یَبۡـغُـوۡنَ وَ مَـنۡ اَحۡسَـنُ مِـنَ اللّٰہِ حُـکۡـمًـا لِّقَـوۡمٍ
یُّوۡقِنُوۡنَ(المائدۃ:۴۱ - ۵۰)

(ترجمہ) اے رسول ﷺ جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں کچھ تو ان میں سے ہیں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں اور کچھ ان میں سے جو یہودی ہیں غمناک نہ ہونا یہ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے بہکانے کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل

دیتے ہیں اور (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اسے قبول کر لینا اور اگر نہ ملے تو (اس سے) احتراز کرنا اور اگر کسی کو اللہ گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لیے تم کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ (یہ) جھوٹی بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور رشوت کا حرام مال کھانے والے ہیں اگر یہ تمہارے پاس (کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر ان سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصل کرائیں گے جبکہ خود ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم (لکھا ہوا) ہے (یہ اسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے ان کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا

اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کردے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی بے انصاف ہیں۔اور ان پیغمبروں کے بعد انہی کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہی تصدیق کرتی ہے اور پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ لگاوے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور وہ ان (سب) پر شامل ہے تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتا دے گا۔اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں۔اگر یہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل

کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں۔کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے۔(مائد:۴۱-۵۰)

اس بارے میں اختلاف ہے علماء کے متعدد اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انہی کے لیے خاص ہے۔بہت سے علماء نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے پاس موجود قوانین کے مطابق فیصلہ کریں اور اس کے من عنداللہ ہونے کا دعویٰ کریں ، یہ (شریعت کو) تبدیل کرنے کی ایک صورت ہے یہ بلا اختلاف کفر ہے۔

۳۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ کا حکم ردّ کر دے یا اس کا انکار کرے۔جو آدمی اپنی خواہش اور نافرمانی کے طور پر بغیر ماانزل اللہ حکم کرتا ہے وہ گناہ گار ہے کافر نہیں ہے۔یہ قول بھی ضعیف ہے اس کی تفصیل اور اس پر تنقید آئندہ آئے گی انشاء اللہ۔

۴۔ یہ چوتھا قول بہتر اور صحیح ہے وہ یہ کہ اہل کتاب کے بارے میں ہے مگر مسلمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔اعتبار لفظ عموم کا ہوتا ہے سبب کی تخصیص کا نہیں ہوتا جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔مفسرین نے خاص کر سرخیل مفسرین علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے جس کا خلاصہ شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے۔ہم ابن جریر و ابن کثیر رحمہما اللہ کے بیان کردہ شان نزول کا خلاصہ پیش کررہے ہیں۔یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کفر کی طرف لپکتے ہیں جو اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں جو اپنی آراء وخواہشات کو اللہ کے احکامات پر مقدم رکھتے ہیں: **من الذین قالوا آمنابافواھھم ولم تؤمن قلوبھم**۔ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مؤمن

نہیں ہیں۔یعنی انہوں نے اپنی زبانوں سے ایمان کا اظہار کرلیا ہے جب کہ ان کے دل اس سے خالی ہیں یہ لوگ منافق ہیں (وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا)اور جو لوگ یہودی ہیں۔اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں یہ سب لوگ (سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ) جھوٹ کو قبول کرتے ہیں اس سے متاثر ہیں (سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ)دوسری قوم کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اے محمد ﷺ یہ آپ کی مجلس میں نہیں آتے۔کسی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے یہ لوگ بات سنتے ہیں اور پھر آپ ﷺ کے دشمنوں تک پہنچاتے ہیں جو آپ کی مجلس میں شریک نہیں تھے(یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ)غلط تاویل کرتے ہیں اور سمجھ لینے کے بعد اسے تبدیل کردیتے ہیں(یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا) کسی نے کہا کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کردیا تھا اور کہا کہ آؤ محمد ﷺ کے پاس فیصلہ لیجاتے ہیں اگر انہوں نے دیت کا فیصلہ کیا تو قبول کرلیں گے اگر قصاص کا فیصلہ کیا تو وہ مت سننا۔صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان یہود مرد وعورت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور یہود نے اپنی کتاب میں تحریف کی تھی رجم کا حکم بدل دیا تھا اس کی جگہ سو کوڑے اور منہ کالا کرنا قانون بنادیا تھا جب ہجرت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انہوں نے کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنے والا فیصلہ دیدیا تو مان لیں گے اور اسے اللہ کے ہاں حجت بنالیں گے کہ یہ ایک نبی کا فیصلہ ہے اور اگر آپ ﷺ نے رجم کا فیصلہ کرلیا تو اس کی پیروی نہیں کریں گے۔اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں مثلاً۔مالک نے نافع سے اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: یہود رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ: ہم میں سے ایک آدمی وعورت نے زنا کرلیا ہے۔رسول ﷺ نے فرمایا: توراۃ میں رجم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کہا ہم کوڑے مارتے ہیں اور رسوا کرتے ہیں

۔عبداللہ بن سلام نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو اس میں رجم کی آیت ہے۔ وہ توراۃ لے آئے کھول کر پڑھنا شروع کیا تو ایک آدمی نے آیت رجم پر ہاتھ رکھا اور اس سے پہلے اور بعد والا پڑھنے لگا ۔عبداللہ بن سلام نے کہا ہاتھ ہٹاؤ جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو وہاں رجم کی لکھی تھی۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ سچ کہا ہے۔ رسول ﷺ نے دونوں (زانی زانیہ) کے رجم کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا کہ آدمی عورت پر جھک کر اس کو پتھروں سے بچا رہا ہے (بخاری و مسلم)۔

بخاری میں ایک جگہ یہ الفاظ ہیں آپ ﷺ نے پوچھا تم ان کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کرتے ہیں انہیں رسوا کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: (فاتو بالتوراۃ......) وہ توراۃ لے آئے ان میں سے ایک آدمی نے کو کہا پڑھو اس نے پڑھنا شروع کیا جب رجم کی آیت پر پہنچا تو اس ہاتھ رکھ دیا آپ ﷺ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ جب ہاتھ ہٹایا تو وہاں آیت رجم چمک رہی تھی اس نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ اس میں رجم کی آیت ہے مگر ہم اسے چھپاتے تھے آپ ﷺ نے حکم دیا دونوں کو سنگسار کیا گیا۔ مسلم میں الفاظ ہیں رسول ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد وعورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: زانی کے بارے میں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کے منہ کالا کرتے ہیں انہیں گدھے پر بٹھا کر گھماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: توراۃ لاؤ۔ وہ لے آئے جب اسے پڑھا تو آیت رجم موجود تھی جب آدمی پڑھتے وقت اس آیت پر پہنچا تو وہاں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے و پیچھے عبارت پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام نے رسول ﷺ سے کہا اس کو کہیں کہ ہاتھ ہٹائے جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو وہاں رجم کی آیت تھی ۔رسول ﷺ نے حکم دیا انہیں سنگسار کیا گیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ آدمی عورت کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مسند احمد میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس سے ایک یہودی

گزرا جس کا منہ کالا کیا گیا تھا اور اسے کوڑے مارے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے یہود کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کتاب میں اسی طرح لکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کے علماء میں سے ایک عالم کو بلایا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے کیا تمہاری کتاب میں زانی کی حد یہی ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ اگر آپ مجھے قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ ہماری کتاب میں زانی کی حد رجم ہے مگر چونکہ زنا ہمارے معزز طبقہ میں زیادہ ہو گیا تو ہم جب معزز آدمی کو اس جرم میں ملوث پاتے اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور پکڑا جاتا تو ہم اس پر حد قائم کر دیتے اس کے بعد ہم نے مل کر سوچا کہ ایسا قانون بناتے ہیں جو سب پر نافذ ہو سکے اس کے لیے ہم نے متفقہ طور پر کوڑے اور منہ کالا کرنے کا قانون بنالیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ جب انہوں نے تیرا حکم ختم کر دیا تھا میں نے ہی سب سے پہلے اسے زندہ کیا آپ ﷺ نے حکم دیا اس آدمی کو سنگسار کیا گیا۔ اللہ نے اس بارے میں آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لاَ يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْم بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (مائدہ)

یعنی اے نبی ﷺ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انہوں نے کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا فتویٰ دیا تو لے لیں گے اور اگر رجم کا دیا تو نہیں لیں گے اس پر آیت آئی۔ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. یہ یہود کے بارے میں ہے اور وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. یہ تمام کفار کے بارے میں ہے۔ احمد

رحمہ اللہ اس حکم سے مسلمان کو خارج کرنے میں اکیلے ہیں جبکہ بخاری۔مسلم۔ابوداؤد۔نسائی اور ابن ماجہ (ایسانہیں کہتے)۔احمد شاکر مزید فرماتے: ان آیات کے نزول کا ایک سبب مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ-هُمُ الظّٰلِمُوْن-هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. یہ آیتیں اللہ نے یہود کے دوگروہوں کے بارے میں نازل کی ہیں دور جاہلیت میں ایک نے دوسرے پر ظلم کیا تھا پھران کی آپس میں صلح ہوگئی تھی اور فیصلہ یہ ہوا تھا کہ معزز گروہ نے کمتر گروہ کے جو آدمی مارے ہیں تو ہر مقتول کے عوض پچاس وسق دیں گے اور کمتر گروہ نے معزز گروہ کے جو آدمی مارے ہیں تو ہر مقتول کے بدلے سو وسق دیں گے یہ معاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آمد تک تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت کمتر گروہ نے معزز گروہ کا ایک آدمی قتل کردیا۔معزز گروہ نے اس کمتر گروہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں سو وسق بھیجو کمتر گروہ نے کہا کہ کیا ایک ہی قوم کے دو قبیلے،خاندان ایک شہر ایک ہے کیا اس میں ایک مقتول کی دیت دوسرے سے آدھی ہوگی؟ یہ تو ہم نے تمہارے ظلم سے بچنے کے لیے منظور کرلیا تھا (کہ ہم کمزور تھے)اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگئے ہیں ہم تمہیں نہیں دیں گے۔اب پھر جنگ کا امکان پیدا ہوگیا پھرانہوں نے فیصلہ کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالثی وفیصلہ کرنے والا مقرر کردیں معزز گروہ نے آپس میں کہا کہ یہ بات صحیح ہے کہ ہم ان لوگوں سے زبردستی سو وسق لیتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی ہم کو ایسا نہیں دیں گے تو انہوں نے کہا ایسا کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے معلوم کرتے ہیں اگر وہ یہی سابقہ فیصلہ برقرار رکھتے ہیں تو اسے مان لیں گے اور اگر ایسا نہیں ہوا تو نہیں مانیں گے انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خفیہ طور پر کچھ آدمی بھیجے کہ جاسوسی کرکے اور ٹوہ لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے معلوم کی جائے اس کام کے لیے انہوں نے کچھ منافقین کی خدمات حاصل کرلیں ۔جب یہ منافقین اس مقصد کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے تو اللہ نے آپ

ﷺ کواس کی خبر دیدی اور آیت نازل فرمائی (یَآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لاَ یَحْزُنکَ ......) یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اللہ نے یہی لوگ مراد لیے ہیں (ابوداوٗد میں بھی اسی طرح مروی ہے)

احمد شاکر رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے یہ علماء مفسرین کی تمام ان آراء واقوال کا خلاصہ ہے جو اس آیت کے شان نزول سے متعلق مذکور ہیں۔اس میں یہ بھی وضاحت موجود ہے کہ جس عمل کی وجہ سے یہود کفار قرار پائے بعینہ وہی عمل ہمارے زمانے کے لوگ کررہے ہیں فرق یہ ہے کہ یہود نے صرف ایک معاملے میں ایسا کیا تھا جبکہ موجودہ دور کے طواغیت نے اللہ کے تمام احکام کی تغییر وتبدیلی کا عمل شروع کررکھا ہے جب قرآن کی رو سے یہود صرف حکم زنا کی تبدیلی سے کفار قرار پائے کہ رجم کی جگہ کوڑے اور منہ کالا کرنے کا قانون بنایا تو ان لوگوں پر کیا حکم لگایا جائے گا جو سرے سے ہی سزاؤں کو معطل کردیتے ہیں کہتے ہیں کہ جب عورت زنا اپنی مرضی سے کرے تو اس پر سزا نہیں ہے اسی طرح ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو کہتے ہیں کہ زانیہ عورت کو اس صورت میں سزا نہیں دی جائے گی جب تک اس کا شوہر مقدمہ درج نہ کرائے۔ بلاشبہ یہ لوگ کافر کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں اس لیے کہ انہوں نے یہود کے اس عمل سے بڑا عمل کیا جس کی وجہ سے کافر قرار پائے تھے۔ان آیات کا شان نزول بیان کرنے کے بعد قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں یہ آیت یہودی مرد وعورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے زنا کیا تھا اور قصہ رجم کا جس میں ذکر ہے۔ یہ صحیح ترین قول ہے جسے امام مالک۔ بخاری۔ مسلم۔ترمذی اور ابوداوٗد وغیرہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے پھر قرطبی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث لکھی ہے۔(قرطبی:۶/۱۷۲)

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مائدہ کی آیات **فاحکم بینھم تا مقسطین** بنونضیر و بنوقریظہ کے دیت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ بنونضیر کے مقتولین کی

اہمیت ہوتی تھی اور انہیں پوری دیت دی جاتی تھی جبکہ بنوقریظہ کو آدھی دیت دی جاتی تھی وہ لوگ اپنا فیصلہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے تو ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیات نازل کیں تو آپ ﷺ نے ان کو اس حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور دیت برابر کرنے کا کہا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوا؟۔(احمد ۔ابو داؤد۔نسائی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ آیات اس مرد وعورت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے زنا کیا تھا جیسا کہ پہلے احادیث گزر چکی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں ہو گئے ہوں اور دونوں کام اکھٹے ہی آیات کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ واللہ اعلم

(عمدة التفسير :٤/ ١٨٤ -١٥٥ ،ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مسند احمد میں ہے صحیح سند کے ساتھ)

تو یہ پہلا مسئلہ ہے طبری رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ ابوالبختر ی سے روایت کیا ہے ایک آدمی نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے ان آیات کے (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ - هُمُ الظّٰلِمُوْن - هُمُ الْفٰسِقُوْن) سے متعلق پوچھا کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں؟ حذیفہ نے کہا ہاں بنی اسرائیل تمہارے اچھے بھائی ہیں ان کے لیے ہر کڑوی اور تمہارے لیے ہر میٹھی چیز ہے؟ اللہ کی قسم تم ان کے طریقوں پر چلو گے قدم بقدم۔(تفسیر طبری:٦/٢٥٣)

اس سے معلوم ہوا کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ یہ آیات اگر چہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کا حکم عام ہے ان کے لیے بھی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی جو بنی اسرائیل کا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ...... کے ضمن میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن الیمان ،ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابومجلز ،ابورجاء العطاردی ،عکرمہ ،عبید اللہ بن عبداللہ اور حسن بصری رحمہم اللہ کہتے ہیں : کہ یہ آیات بنی

اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں مگراس امت کے لیے بھی ہیں۔(ابن جریر)

اسی طرح ابن جریر رحمہ اللہ ایک اورجگہ لکھتے ہیں کہ :علقمہ اورمسروق رحمہما اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے رشوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ حرام ہے۔انہوں نے پوچھااورحکم کے بارے میں انہوں نے جواب دیا یہ کفر ہے پھرآیت تلاوت کی وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۔اسی آیت کے بارے میں سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں :جس نے جان بوجھ کراللہ کے نازل کردہ پر فیصلہ نہیں کیا یا جان بوجھ کرکسی اورکی طرف گیا وہ کافروں میں سے ہے۔شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں :یہ آیت مسلمانوں کے لیے ہے ۔ابن جریر رحمہ اللہ نے شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ مسلمانوں کے بارے میں ہےاور وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہوداور وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ نصاری کے بارے میں ہے۔یہی بات زکریا نے شعبی سے روایت کی ہے۔ان تینوں آیات سے متعلق بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعدامام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:ھُمُ الْکٰفِرُوْن مسلمانوں،ھُمُ الظّٰلِمُوْن یہوداورھُمُ الْفٰسِقُوْن نصاری سے متعلق ہیں۔ابوبکربن العربی نے بھی اسی قول کو اختیارکیا ہے۔ابن عباس ، جابر بن زید،ابن ابی زائدہ ،ابن شبرمہ اورشعبی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے ۔(قرطبی :٦/١٨٤،احکام القرآن لابن العبی :٢/٦٢٤)

یہ تمام اقوال اس بات پردلالت کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ عام ہےاسی طرح کا مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما۔جابربن زید۔ابن ابی زائدہ۔حسن ۔ابراہیم ۔سدی۔ابن شبرمہ اورشعبی رحمہم اللہ کا بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے اہل کتاب اورغیراہل کتاب سب کے لیے ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔ یہ قول قتادہ وضحاک وغیرہ کا ہے مگر یہ قول بعید ہے اور ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا اسے تسلیم نہیں کیا جاسکتا ۔(مدارج السالکین :۱/۳۶۵)

قاسمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: اللباب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن اور نخعی رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ تینوں آیات عام ہیں یہود کے بارے میں بھی ہیں اور اس امت سے متعلق بھی ہیں جو بھی شخص رشوت لیتا ہے یا (اللہ کا) حکم بدلتا ہے وہ بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کرتا ہے یہ کفر ظلم اور فسق ہے سدی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور آیت کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں بعض نے کہا ہے یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ کے حکم کی نص جان لیں پھر اس کے بعد جان بوجھ کر اسے ردّ کر دیں اور بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کریں اور اگر کسی شخص پر نص مخفی ہو یا تاویل میں خطاء کرے تو اس وعید میں داخل نہیں ہے۔(محاسن التاویل :۶/۲۱۵)

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا چاہے مسلمانوں میں سے ہو، یہودی ہو یا نصاری یعنی اس کو حلال سمجھتا ہو اور اعتقاد رکھتا ہو۔(قرطبی:۶/۱۹۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: باب اجر من قضی بالحکمة اور پھر اس میں **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.** آیت پیش کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس قول کو ترجیح دیتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اہل کتاب اور مسلمانوں دونوں سے متعلق ہے۔ اگرچہ آیات کے نزول کا سبب اہل کتاب ہیں لیکن آیت عام ہے سب کو شامل ہے۔(فتح الباری کتاب الاحکام :۱۳/۱۲۰)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اے مقلد اگر تم انصاف کی نظر سے دیکھ لو اور اپنے دل ودماغ کو خالی

کر کے سوچ لو اور ہماری تحریر جو اس مؤلف کے بارے میں ہے اس پر غور کر لو تو جان لو گے کہ تم بہت بڑے خطرے سے دوچار ہو......اس لیے کہ تم اپنے احکام کی بنا پر خون بہا رہے ہو املاک وحقوق منتقل کر رہے ہو مالکوں سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہو اللہ پر وہ بات کہہ رہے ہو جو اس نے نہیں کہی یہ کتاب وسنت کے سہارے کے بغیر کرتے ہو بلکہ جس بنیاد پر کرتے ہو اس کے حق وباطل ہونے سے بھی تم واقف نہیں ہو جبکہ تم اعتراف بھی کرتے ہو کہ تم ایسے ہی ہو......تم نے اللہ کے دین پر کس طرح کسی اور حکم کو مقدم کر لیا جبکہ اللہ فرماتا ہے: **وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ......الۡفٰسِقُوۡنَ......الۡکٰفِرُوۡنَ.** یہ آیات کریمات ہر اس شخص کے لیے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا۔(القول المفید فی ادلة الاجتهاد والتقلید للشوکانی:٦٤-٧٤)

ان آیات کے اسباب نزول سے متعلق جو کچھ مذکور ہو چکا سلف وائمہ کے جو اقوال ذکر ہوئے ان سے یہ واضح ہوا کہ یہ آیات عام ہیں اور ہر اس شخص کو شامل ہیں جو اللہ کے دین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا چاہے اہل کتاب ہو یا کوئی اور۔ اگرچہ ان کا سبب نزول اہل کتاب تھے۔ جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ سبب نزول کی صورت نص میں قطعی طور پر داخل ہے①۔

---

①: سبب نزول کی صورت کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورت جو سبب نزول کے مشابہ ہو جو شخص ان لوگوں جیسا کرے جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی تھی چاہے قول ہو، فعل ہو یا حالت تو اس کا حکم بھی ان لوگوں والا ہوگا۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے اہل مذاہب وغیرہ میں سے جن لوگوں نے شاذ بات کہی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت عام ہے جس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جو ان جیسا کرے (الصارم:۳۳)۔ مزید فرماتے ہیں: لفظِ عام جب کسی سبب سے مستعمل ہو تو سبب کا اس کے تحت ہونا لازمی ہے (اقتضاء الصراط المستقیم:۱۸۵)۔ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمہور اہل اصول صورت سبب قطعی طور پر عام لفظ میں داخل ہے کسی تخصیص کی وجہ سے اس کو خارج کرنا جائز نہیں ہے یہی تحقیقی بات ہے (المذکرہ:۲۱۰)۔ اعتبار عموم لفظ کا ہے سبب کی تخصیص کا نہیں ہے۔ عموم خطاب کے متعدد انواع سے اخذ کیا جا سکتا ⇐

یہی وجہ ہے کہ علماء نے جیسا کہ مذکور ہوا متنبہ کیا ہے کہ ان آیات کا حکم عام ہے اس میں اہل کتاب اور ان مسلمانوں کے لیے ہے جو ان جیسا عمل کریں گے ۔قاسمی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت اگرچہ بنوقریظہ وبنونضیر یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر دوسرے بھی اس میں شامل ہیں اس لیے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہے۔مَنْ جب شرط کے معنی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔(محاسن التاویل للقاسمی :٦/٢١٥۔البحرالمحیط :٣/٤٩٢)

اسی وجہ سے ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت سے ہر وہ شخص مراد ہے جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکل جاتا ہے اور کفر کی طرف لپکتا ہے جو اپنی آراء وخواہشات کو اللہ کی شریعت اور اس کے حکم پر مقدم کرتا ہے یہ آیت اپنے سبب نزول تک محدود نہیں ہے اس آیت کے بارے میں یہی

⇐ ہے ۔ا: مکلفین میں سے کسی کو مخاطب کیا جائے اور کوئی شرعی نص اس تعمیم کو خاص کرنے والا نہ ہو۔۲: عموم لغوی یعنی لفظی تعمیم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔اور اگر خطاب کسی سبب کی وجہ سے ہو یا کسی سائل کا جواب ہو تو لفظ اگر عموم پر تعمیم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔اور اگر خطاب کسی سبب کی وجہ سے ہو یا کسی سائل کا جواب ہو تو لفظ اگر عموم پر دلالت کرتا ہے تو وہ عام ہوگا جیسے حدِ سرقہ میں (**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما**) یہ آیت اس عورت یا مرد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چوری کی تھی اور صفوان بن امیہ کی چادر چرائی تھی مگر علماء نے اس آیت کو پوری امت پر محمول کیا ہے (المذکرہ:٢٠٩)۔اور اگر نص میں ایسا کوئی لفظ ہو جو اس کی تخصیص کو واضح کرتا ہو تو اسے کسی بھی طرح عموم پر محمول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فرمان ہے: **خالصة لک من دون المؤمنین** ۔اور اگر نص میں تعمیم یا تخصیص پر دلالت کرنے والا لفظ نہ ہو تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوگا تخصیص سبب کا نہیں اس پر دلائل بھی ہیں مثلاً آیت لعان عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی اسی طرح ظہار کی آیت اوس بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی۔فدیہ کی آیت کعب بن عجرہ کے بارے میں نازل ہوئی (مگر حکم سب کا عام ہے) مزید تفصیل کے لیے ذیل کی کتب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔(المستصفی للغزالی:٢/٢١،الاحکام للآمدی :٢/٢٣٩،ارشاد الفحول للشوکانی :١٠٥-١٢٧، مذکرة اصول الفقة للشنقیطی :١٤٨)

حکم صحیح ہے۔قاضی اسماعیل نے احکام القرآن میں اس آیت سے متعلق اختلاف ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی ان یہود جیسا کام کیا اور اللہ کے مخالف حکم ایجاد کرلیا اسے قابل عمل دین بنالیا تو اس کے لیے بھی وہی وعید ہے جو ان یہود کے لیے تھا چاہے ایسا کرنے والا حکمران ہو یا کوئی اور۔(ابن کثیر:۲/۸۵)

جب یہود نے صرف ایک حکم یعنی رجم کا حکم بدل دیا اور اس کی بنا پر کافر قرار دیے گئے تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے تمام احکامات بدلنے کی جسارت کی ہو ہر حکم خداوندی کو اپنی مصلحت وخواہش کے مطابق کرنے کی کوشش کی لازمی بات ہے کہ ہمارے زمانے کے یہ لوگ جو ساری شریعت کو بدل ڈالتے ہیں ان یہود سے زیادہ سخت کافر ہیں ۔اس گفتگو کو مزید مفید بنانے کے لیے ہم ان چند قوانین کو بطور مثال پیش کرتے ہیں جنکی وجہ سے حکام ،قاضیوں اور قانون سازوں نے شریعت کو بدل ڈالا ہے اور یہ کام نام نہاد اسلامی مما لک میں ہوا ہے۔قانون بنانے اور شریعت سازی کرنے میں ان مما لک نے جو دستور وآئین بنائے ہیں ان میں قانون سازی کا حق کسے دیا گیا ہے؟

① مصری قانون شق 64 میں ہے کہ قانون کا مسودہ حکومت میں حکم کی بنیاد ہے۔
② شق 109 میں ہے جمہوریہ کے سربراہ اور ہر اسمبلی ممبر کو قانون سازی کا حق حاصل ہے
③ شق 113 میں ہے جمہوریہ کے سربراہ کو قانون بنانے یا مسترد کرنے کا حق ہے۔
④ شق 86 میں ہے اسمبلی کو قانون سازی کا اختیار ہے اور حکومت کرنے کا بھی۔
⑤ شق 3 میں ہے حکومت کا اختیار صرف قوم کو حاصل ہے۔

یہ باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مصری دستور،اس کے بنانے والے اور نافذ کرنے والے اس کا دفاع کرنے والے اللہ کی الوہیت اور لوگوں کے لیے اس کے قانون ساز ہونے کو تسلیم نہیں

کرتے۔

⑥ اردن کے دستور کے شق 35 میں ہے قانون سازی کا اختیار پارلیمنٹ اور بادشاہ کو حاصل ہے۔اللہ کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں البتہ قوم اور بادشاہ کے بعد ہے قوم نے امت اور بادشاہ کو قانون سازی میں اللہ کے ساتھ شریک نہیں کیا بلکہ واضح طور پر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ کوئی الٰہ، قانون ساز اور حاکم نہیں سوائے امت اور بادشاہ کے۔

⑦ بحرین۔دستور کی شق 24 میں ہے۔کوئی قانون اس وقت تک نافذ یا بن نہیں سکتا جب تک ملک کی پارلیمنٹ اس کی توثیق نہ کردے اور امیر اس کی حمایت نہ کردے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلا اور آخری مرجع ان قوانین کو بنایا گیا ہے جنہیں ملکی پارلیمنٹ اور امیر کی حمایت حاصل ہو نہ وہ کہ جسے اللہ نے بنایا ہو۔

⑧ امارات۔دستور کی شق 110 میں ہے کابینہ ہی قانون سازی کرے گی اس کی ہم مزید کیا وضاحت کریں؟

⑨ موریطانیہ۔ دستور کی شق 37 میں ہے۔قانون سازی صرف جمہوریہ کے سربراہ اور پارلیمنٹ کے ارکان کا اختیار ہے۔شق 18 میں ہے جمہوریہ کے سربراہ کو ہی قانون بنانے کا اختیار ہے۔

⑩ لیبیا۔دستور کی شق 18 مجلس انقلاب جمہوریہ عربیہ لیبیا میں سب سے بااختیار ادارہ ہے اور حکومت کرنا اس کے لیے قوانین بنانا اسی کا اختیار ہے یہ مجلس جو بھی تدبیر اور پروگرام بنائے گی اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔گویا یہ مجلس ہی الٰہ ہے، رب ہے، قانون ساز ہے جس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا نہ اس کے قانون پر نہ کسی پروگرام پر اس لیے کہ یہ دستور میں لکھا ہوا ہے۔جہاں تک تعلق ہے جرائم وحدود کے بارے میں تو میں مصر کے چند قوانین

کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا اگر چہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ مقصود کے ثبوت کے لیے کافی ہے مگر مزید اطمینان کے لیے صرف حوالے پیش کرتا ہوں مثلاً: شق 277,276,275,274,267 یہ قوانین جرم زنا کے بارے میں شریعت سے متصادم ہیں۔

شق۔313,314,315,(10),316 اور پھر 324,323,318,317,316 یہ قوانین چوری کی سزاء میں شریعت کے مخالف ہیں۔

شق۔236,234,230 یہ قوانین واضح طور پر قتل کے بارے میں شرعی سزاؤں سے متصادم یا مخالف ہیں۔ جہاں تک شہری قوانین کی بات ہے تو یہ قاضی کے لیے قانون کے دیگر کچھ اصول وضع کرتے ہیں اس میں طبعی قوانین سے واقفیت ضروری ہے۔

نوٹ: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جن کے خیال میں مذکورہ آیات صرف اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور یہ ان لوگوں کے لیے عام نہیں ہیں جو ان اہل کتاب کی طرح کا طرز عمل رکھتے ہیں اور علماء کی جو آراء نقل ہوئی ہیں ان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی بلکہ انہوں نے تو صرف آیات کا شان نزول بیان کیا ہے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ آیات مسلمانوں کے لیے بھی استعمال ہوں گی۔ اس طرح کی آراء نص کو خاص نہیں کرتیں اور نہ ہی عام نص سبب نزول تک محدود رہتی ہے۔ سلف کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کہتے تھے کہ یہ آیت فلاں کے بارے میں یا فلاں مسئلے میں نازل ہوئی ہے تو ان کا مقصد آیت کو سبب نزول تک محدود کرنا نہیں ہوتا تھا اسی لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سلف اکثر کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں مسئلے میں نازل ہوئی ہے خاص کر اگر متعلقہ کوئی شخص ہو جیسا کہ آیت ظہار کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اوس بن الصامت کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لعان کی آیت عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ کے بارے میں۔ کلالہ کی

آیت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارےاور **وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ** ۔بنوقریظہ اور بنونضیر کے بارے میں اور **ومن یولھم یومئذ دبرہ** بدر کے وقت اور **شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت** تمیم داری اور عدی بن بداء کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ یا اہل کتاب یہود نصاری یا مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب یہ لوگ اس طرح کہتے ہیں تو ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہ آیت بعینہ انہی لوگوں کے ساتھ خاص ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے یہ بات کوئی مسلمان یا کوئی عقلمند نہیں کر سکتا اگر چہ یہ لوگ کسی ایسے لفظ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں جو عام ہو اور کسی سبب کے لیے استعمال ہوا ہو تو وہ اپنے سبب کے ساتھ خاص ہوگا یا نہیں؟ کسی بھی مسلمان عالم نے یہ نہیں کہا کہ کتاب وسنت کے عمومات کسی شخص معین کے ساتھ خاص ہیں صرف کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت اس طرح کے شخص کے بارے میں ہے اس طرح وہ آیت عام ہو جاتی ہے اور یہ عموم اس میں موجود لفظ کی وجہ سے ہوتا ہے۔جس آیت کا معین سبب ہو وہ اگر امر یا نہی ہے تو وہ اس شخص اس جیسے دوسروں کے لیے ہوگی اگر وہ مدح یا ذم ہے تو بھی اس شخص اور جیسی صفات رکھنے والوں کے لیے ہوگی۔(مجموع الفتاوی:۱۳/۳۳۸-۳۳۹)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے جو اس سبب کے ساتھ مختص ہو جس کی وجہ سے وہ نازل ہوئی ہے اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کوئی بھی مسلمان نہ نہیں کہہ سکتا کہ آیت طلاق ،ظہار، لعان ، چوری اور محاربین وغیرہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیات انہی کے ساتھ خاص ہیں جن کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔(مجموع الفتاوی:۱۹/۱٤)

مزید فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ آیت فلاں مسئلے یا شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس بارے میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں تھا کہ آیت سبب نزول کے علاوہ کسی اور کی

طرف متعدی ہوگی کوئی اور بھی مراد ہوگا۔(مجموع الفتاوی:۱۳/۲۸-۲۹)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان آیات کا حکم یہ ہے کہ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتا چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہو یا کسی اور سے بہت سے اسلاف نے ان آیات کو ان مسلمانوں پر محمول کیا ہے جو اہل کتاب جیسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں جمہور کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ابن مسعود، علی، عمر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم، حسن بصری، ابراہیم نخعی، شعبی، سدی رحمہم اللہ، ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن زید، ابن ابی زائدہ اور شبرمہ رحمہم اللہ نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا مسئلہ: آیت میں مذکور کفر سے مراد کفر اکبر ہے یا کفر اصغر؟

اس بارے میں دو قسم کی آراء ہیں:

① بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کفر مطلق یعنی کفر اکبر کہا ہے جو انسان کو مکمل طور پر ملت سے خارج کر دیتا ہے یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جو ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ان سے رشوت کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی اور کہا کہ یہ کفر ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے مسروق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے السحت کے بارے میں سوال ہوا کہ کیا یہ حکم کے لحاظ سے رشوت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ جس نے اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا وہ کافر ہے ظالم ہے۔ فاسق ہے۔ سحت یہ ہے کہ آدمی کسی سے ظلم کرنے پر تعاون مانگے اور وہ کرلے اور پھر اسے تحفہ دیا جائے وہ اسے قبول کرلے۔(تفسیر طبری ۶/ ۲٤۰)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور سدی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ابن قدامہ اور آلوسی نے نقل کیا ہے آلوسی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن المنذر رحمہ اللہ نے مسروق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں نے عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کیا رشوت کا حکم بھی السحت کا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں یہ تو کفر ہے جبکہ سحت کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی کسی سرکاری عہدے پر ہو اور ایک آدمی کو حکومت سے کوئی کام پڑ جائے اور وہ عہدے دار بغیر کسی تحفہ کے وہ کام نہ کرے۔ عبد ابن حمید علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے سحت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے مراد رشوت ہے کسی نے کہا اس کا حکم کیا ہے؟ فرمایا یہ کفر ہے بیہقی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے (روح المعانی :٦/ ١٤٠)۔ ابن قدامہ الحنبلی کہتے ہیں اللہ کا فرمان ہے: اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ حسن بصری اور سعید بن جبیر اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اس سے مراد رشوت ہے۔ کہتے ہیں کہ جب قاضی رشوت قبول کرلے تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ (المغنی مع الشرح الکبیر: ١/ ٤٣٧-٤٣٨، احکام القرآن للجصاص ٤/ ٨٥-٨٧)

ابن جریر رحمہ اللہ نے سدی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہتے ہیں: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے نازل کردہ دین پر فیصلہ نہیں کرتے اور اسے جان بوجھ کر ترک کردیتے ہیں اور وہ جانتے بھی ہیں تو یہ لوگ کافروں میں سے ہیں۔ (تفسیر طبری: ٦/ ٢٥٧)

جمال الدین قاسمی کہتے ہیں: اللباب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور نخعی رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ مذکورہ تینوں آیات عام ہیں یہود کے بارے میں بھی ہیں اور موجودہ امت کے بارے میں بھی۔ جس نے بھی رشوت لی اور اللہ کے حکم کے بدلے میں کسی اور کے حکم پر عمل کیا تو اس نے کفر ظلم اور فسق کیا۔ سدی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ پھر کہتے ہیں: یہ بھی کسی نے کہا ہے کہ یہ اس کے بارے میں ہے جو اللہ کے حکم کی نص جانتا ہو اور پھر اسے جان بوجھ کر ردّ کردے اور کسی اور حکم کو اپنالے۔ جس شخص پر نص خفی رہے یا تاویل میں خطاء کرلے تو اس کے لیے یہ وعید نہیں

ہے۔قاضی اسماعیل احکام القرآن میں کہتے ہیں: آیت کے ظاہری سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی ان یہود جیسا کام کیا یعنی اللہ کے خلاف حکم بنایا اور اس پر عمل کیا اسے دین کے طور پر اپنایا تو اس کے لیے بھی وہی وعید ہے جو ان یہودیوں کے لیے تھا چاہے ایسا کرنے والا حکمران ہو یا کوئی اور ہو۔(محاسن التاویل للقاسمی :٦/٢١٥-٢١٦،فتح الباری :١٣/١٢٠)

یہ ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد کے ائمہ کے اقوال اور علماء کی آراء اس حکمران کے بارے میں جو رشوت لیتا ہو اور اس کے لیے اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہو تو یہ کافر ہے اس طرح جو شخص اللہ کا حکم جانتا ہو اور اس کے باوجود اسے چھوڑ کر کسی اور حکم کی طرف جاتا ہو تو وہ بھی کافر ہے یہ کفر اکبر ہے جو یہود پر بھی لاگو ہوا تھا۔اس آیت کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے اس کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ نص کو جاننے کے باوجود بلا جہل تعمداً ایسا کرے اور تاویل کی غلطی کے بغیر ہو البغوی نے علماء سے نقل کیا ہے۔(مدارج السالکین١٣/١٢٠)

ابن قیم رحمہ اللہ کا نقل کردہ قول صحابہ وتابعین کے اقوال کی تائید کرتا ہے ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ جو نقل کیا ہے کہ وعید اس کے لیے ہے جو اسلام کے تمام شرائع کو معطل کرنے کا حکم کرے یا بعض کو تو ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول بھی صحیح ہے اس لیے کہ یہود کے لیے وعید اسی بنا پر تھا کہ انہوں نے توراۃ کے رجم کے حکم کو معطل کر لیا تھا لہٰذا اسلام کے تمام احکام یا چند کو معطل کرنا برابر ہے۔کفر اکبر کا حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جس نے اللہ کے حکم پر عمل کو معطل کر دیا چاہے کم پر چاہے زیادہ پر۔ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: کچھ لوگوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اللہ کے نازل کردہ تمام احکام کو ترک کر دے۔اس میں توحید اور اسلام کے خلاف حکم بھی شامل ہے۔یہ عبدالعزیز الکنانی کی تاویل ہے یہ بھی بعید تاویل ہے اس لیے کہ وعید تو اس پر ہے کہ اللہ کے نازل کردہ پر فیصلہ نہیں کیا یہ تمام اور بعض سب کی تعطیل کو شامل ہے۔(مدارج السالکین)

کچھ روایات کفر اکبر پر محمول کرنے کے خلاف ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن طاؤس، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ سے مروی ہے جسے ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ مفسرین نے بھی نقل کیا ہے، ہم اسے روایت و درایت کے لحاظ سے پرکھیں گے ان شاء اللہ۔ عجیب بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس مسئلے کے بارے میں ایسی روایات لاتے ہیں جن میں اس کفر کو کفر اصغر پر محمول کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن طاؤس اور عطاء رحمہم اللہ سے مروی ہے جبکہ وہ روایات پیش نہیں کرتے جن میں اسے کفر اکبر کہا گیا ہے جیسا کہ ابن مسعود، عمر، علی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم، حسن بصری، ابراہیم النخعی، سعید بن جبیر، سدی اور شعبی رحمہم اللہ وغیرہ باوجودیکہ اسے کفر اکبر پر محمول کرنے والے اقوال و آراء سند کے لحاظ سے صحیح ترین اور قوی ترین ہیں بنسبت کفر اصغر والی روایات کے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو بھی اس مسئلے کے بارے میں کچھ لکھے یا بات کرے تو وہ ان تمام اقوال، روایات و آراء کو ذکر کرے جو اس مسئلے سے متعلق ہیں پھر روایات و درایت کے لحاظ سے اس پر بحث کرے یہ ہے علمی دیانتداری کا تقاضا اس طرح دلائل کی بنیاد پر حق ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم وہ اقوال و آثار ذکر کرتے ہیں جو ہمارے بیان کردہ موقف کے خلاف ہیں۔

① ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے علی بن ابی طلحۃ ابن عباس: **وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین سے انکار کرے تو کافر ہے اور جو انکار نہ کرے تو وہ ظالم و فاسق ہے ابن جریر رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے پھر اس رائے کو اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب یہود ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اللہ کے نازل کردہ دین و کتاب سے انکار کریں۔ (ابن کثیر: ۲/۹۷)

یہ بات اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے بھی ثابت ہو جائے پھر بھی اس پر حکم صحیح نہیں ہے اس لیے کہ احکام شریعت سے انکار باتفاق ائمہ و علماء کفر ہے چاہے اللہ کی شریعت پر فیصلہ کرے یا نہ

کرے۔جب کوئی فیصلہ کرنے والا زنا کی حد کا انکار کردے یا چوری کی حد کا اور اسے قبول وتسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہے اللہ کا دشمن ومخالف ہے۔جس نے شراب وسود کی حرمت کا انکار کیا وہ بھی اس طرح کافر ہے جدید وقدیم علماء میں سے کسی نے بھی اس کے کفر میں اختلاف نہیں کیا لہٰذا احکام کا انکار کفر ہے اور یہ ان کے مطابق فیصلہ کرنے سے چشم پوشی ہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاں تک چار فرائض کی بات ہے تو ان میں سے اگر ایک کا انکار کیا جبکہ حجت پہنچ چکی تھی تو ایسا کرنے والا کافر ہے۔اسی طرح جس نے محرمات ظاہرہ ومتواترہ میں سے کسی کا انکار کیا جیسے فواحش، ظلم، جھوٹ اور شراب وغیرہ کا۔(مجموع الفتاوی:۷/۶۰۹-۶۱۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو بات اسلام سے بداہتاً ثابت ہو اور کوئی آدمی اس کا انکار کردے تو اس پر کفر وارتداد کا حکم لگایا جائے گا سوائے اس آدمی کے جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا کسی دور دراز کے علاقے میں رہتا ہو کہ جس کو حکم ومسئلہ کا علم نہ ہوا سے مسئلہ بتایا جائے گا اگر اس کے باوجود بھی اپنی بات پر قائم رہا تو کفر کا حکم لگایا جائے گا۔اس طرح جس نے زنا، شراب یا قتل وغیرہ میں محرمات سے کسی ایک کو حلال قرار دیا جبکہ وہ اس کی حرمت سے ضرورتاً وبداہتاً باخبر تھا (تو اسے کافر قرار دیا جائے گا)۔(شرح مسلم للنووی:۱/۱۵۰)

اس کتاب میں پہلے باب الثانی مسائل الایمان میں بھی اس پر بحث ہو چکی ہے۔اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: کچھ لوگ آیت کی تاویل کرتے ہیں کہ بما انزل اللہ کے بغیر فیصلے کرنے سے مراد ہے کہ وہ اس کا منکر ہو یہ قول عکرمہ رحمہ اللہ کا ہے یہ مرجوح تاویل ہے اس لیے کہ صرف انکار ہی کفر ہے چاہے اس کے مطابق فیصلہ کرے یا نہ کرے ①۔(مدارج السالکین:۱/۵۶۳)

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے سنداً ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

---

①: ابن قیم رحمہ اللہ جو کہ خود حافظ، ناقد اور محدث ہیں کہتے ہیں کہ یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منقول ہے مگر ثابت نہیں ہے ورنہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوتا۔

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ. سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو ان لوگوں نے لیا ہے یہ ملت سے خارج کرنے والا کفر نہیں ہے۔حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین رحمہما اللہ کی شرط پر ہے مگر انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔(ابن کثیر:۲/ ٦١)

یہ اثر روایت کے لحاظ سے ضعیف ہے اس لیے کہ حاکم اور ابن ابی حاتم کی روایات کا مدار ہشام بن حجیر پر ہے جبکہ بہت سے علمائے جرح وتعدیل نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی حدیث پر اعتراض کیا ہے اگر چہ نیک و پرہیز گار آدمی تھا۔احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں ہشام قوی نہیں ہے۔یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی حدیث پر اعتراض کیا ہے۔علی بن المدینی نے اسے ضعیف کیا ہے۔عقیلی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے ۔ابن عدی نے بھی یہی کہا ہے۔ابن حجر نے کہا نے کہ سچا ہے مگر اس کے اوھام ہے (حدیثوں میں وہم ہیں) صحیح احادیث روایت کرنے والے ہشام بن حجیر کی روایت کو اس وقت تک نہیں لیتے جب تک کوئی اور ان کے ساتھ نہ ہو اس کی وہ روایت نہیں لی جاتی جس میں یہ اکیلا ہو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی صرف ایک روایت طاؤس رحمہ اللہ سے لی ہے ۔وہ حدیث ہے سلیمان علیہ السلام سے متعلق جس میں مذکور ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی نوے بیویوں سے صحبت کروں گا...... یہ حدیث انہی ہشام بن حجیر کے ذریعے سے باب کفارۃ الایمان میں ذکر کی ہے اور باب نکاح میں بھی اس میں ان کی متابعت عبداللہ بن طاؤس نے کی ہے مسلم رحمہ اللہ نے بھی دو جگہ ان کی روایت متابعت میں لی ہے(مقدمة فتح الباری:٤٤٨) ۔امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں :اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اس طرح کے الفاظ اہل فن کے ہاں ضعیف راوی کے لیے بولے جاتے ہیں البتہ اس کی روایت کردہ حدیث شواہد ومتابعات میں لی جاتی ہے مستقل نہیں لی جاتی ۔ابن حبان ۔العجلی ۔ابن سعد اور ذہبی نے اس ہشام کو ثقہ کہا ہے مگر اہل فن

کے ہاں یہ مشہور ہے کہ ابن حبان توثیق کرنے میں نرمی سے کام لیتا ہے۔عجلی نے ابن حبان کی ہی پیروی کی ہے۔عجلی کے بارے میں المعلمی الیمانی کہتے ہیں: میں نے عجلی کی توثیق کی چھان بین کی ہے وہ مکمل طور پر ابن حبان کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ وسیع (نرمی کرنے والا)۔(الانوار الکاشفة للمعلمی الیمانی :٦٨)

ابن سعد کی توثیق کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اس کا اکثر بنیاد واقدی پر ہوتا ہے جو متروک ہے ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ابن سعد کی تصنیف ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں اس بارے میں کسی نے ابن سعد کی طرف توجہ نہیں دی ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد اکثر واقدی پر ہوتی ہے اور وہ ضعیف ہے۔(مقدمة فتح الباری:٤١٧)

خلاصہ یہ نکلا کہ ہشام جب منفرد ہو تو اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ وہ طاؤس رحمہ اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول لینے اور روایت کرنے میں متفرد ہے۔جبکہ یہ کلام مدرج بھی ہے عبدالرزاق نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ کلام ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نہیں بلکہ ابن طاؤس رحمہ اللہ کا ہے۔عبدالرزاق کہتے ہیں: ہمیں معمر نے طاؤس سے خبر دی اس نے اپنے باپ سے وہ کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ...... کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ابن طاؤس رحمہ اللہ نے کہا یہ اس طرح کا کفر نہیں ہے جس طرح کوئی اللہ، فرشتوں، کتب اور رسولوں کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ثوری رحمہ اللہ نے ابن جریج رحمہ اللہ سے اس نے عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اس نے کہا یہ کفر دون کفر، ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق ہے۔(ابن جریر)

وکیع رحمہ اللہ سعید المکی سے وہ طاؤس سے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ...... کے بارے میں کہا کہ یہ ایسا کفر نہیں ہے جو ملت سے خارج کرنے والا ہو۔ہماری معلومات کے مطابق ان منقولہ

اقوال میں کوئی بھی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت نہیں ہے جبکہ جمہور سے عطاء، ابن طاؤس اور عکرمہ کی مخالفت ومعارضت کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس لیے کہ سلف وخلف کی رائے ہے کہ اس سے مراد کفر مطلق یعنی اکبر ہے کفر اصغر کے ساتھ مقید کیے بغیر ① ابن مسعود۔ عمر۔ علی رضی اللہ عنہم اور حسن بصری۔ سعید بن جبیر۔ نخعی۔ سدی رحمہم اللہ وغیرہ نے وغیرہ نے فیصلہ کرنے میں رشوت لینے اور حاکم کے ہدیہ لینے کہ کسی کو بچائے یا دیگر پر مقدم رکھے میں فرق کیا ہے رشوت لے کر فیصلہ کرنے کو انہوں نے کفر قرار دیا ہے۔ جولوگ کہتے ہیں کہ یہاں کفر دو قسموں میں منقسم ہے اکبر واصغر تو اس کو ہماری سابقہ بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو رشوت، خواہش یا قرابت کی وجہ سے حکم شرعی کو ساقط کرنے کے لیے کوشش یا حیلہ کرنا یہ بھی تب ہے جب اس (تقسیم) کی سند قائلین کی طرف صحیح ہو۔ ہم نے قاضی بلال بن ابی بردہ کی مثال دی ہے۔ یہ محمول کرنا اس بات سے زیادہ

---

①: جب لوگوں کے اقوال میں اختلاف پیدا ہو جائے کسی مسئلے کے بارے میں تو جو قول زیادہ مدلل ہو اسے اپنانا چاہیے اس کے مخالف قول کا اعتبار نہیں ہوگا یہ اختلاف چاہے علماء کے اقوال میں ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں میں یہی طریقہ ہوگا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے علماء کا اختلاف ہو اور متعدد اقوال ہوں تو اس قول کو ترجیح دی جائے گی جو شرعی دلائل اور لغوی دلائل کے موافق ہوگا اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کی جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال باہم مختلف فیہ ہوں تو ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں جو کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو یا قیاس کے لحاظ سے صحیح ترین قول ہو (الرسالۃ بتحقیق احمد شاکر: ۵۹٦)۔ ابن قیم رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل کے اصولوں سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی مسئلے میں اختلاف کرلیں تو ان میں سے وہ قول اپنایا جائے جو کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہوگا (اعلام الموقعین ۱/۳۱)۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کسی مسئلے کے بارے میں متعدد ہوں اور کسی قول پر اعتراض نہ ہو تو یہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہیں اور اگر کسی مسئلے میں یہ اختلاف کرلیں تو اسے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اگر ان کے اقوال میں اختلاف ہو تو کسی کا قول حجت نہیں ہوگا اس پر علماء کا اتفاق ہے (مجموع الفتاوی: ۲۰/۱۴)۔ مزید فرماتے ہیں: جولوگ کہتے ہیں کہ صحابی کا قول حجت ہے تو یہ اس وقت ہے جب ان میں باہم اختلاف نہ ہو اور اس کے خلاف کسی نص کا بھی علم نہ ہو سکے اور اگر اس کے خلاف نص ہو تو پھر صحابی کا قول حجت نہیں ہے (مجموع الفتاوی: ۱/۲۸۳-۲۸۴)۔

بہتر ہے کہ ہم دلائل ونصوص کو باہم متعارض بنا کر انہیں آپس میں ٹکراتے رہیں اور ائمہ سلف کے اقوال کو باہم مخالف بنائیں۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نصوص میں تطبیق پیدا کی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ترجیح دی جائے۔اس مسئلہ میں جن لوگوں نے کفر سے مراد کفرا کبر لیا ہے وہ صحیح ہے بنسبت دوسرے قول کے اس لیے کہ اس کی تائید میں شرعی نصوص موجود ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جمہور سلف کا بھی یہی مسلک ہے یہ بھی بیان ہو چکا ہے جب مسئلہ تحکیم میں علماء کے اقوال میں غور کیا جائے تو یہی مسلک اپنانا بہتر ہے اس لیے کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ حکم بغیر ماانزل اللہ کفر اصغر یا کفر دون کفر ہے فسق دون فسق اور ظلم دون ظلم ہے صرف وہی ذکر ہوتا ہے جو اکفرا کبر میں داخل ہے ہم علماء کے کچھ اقوال ذکر کرتے ہیں اور پھر ان میں تطبیق دینے اور ہر ایک کو اس کے صحیح مفہوم پر محمول کرنے کی کوشش کریں گے۔اس آیت کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ حکم بغیر ماانزل اللہ میں کفر اصغر وکفرا کبر دونوں شامل ہیں اور اس کا فیصلہ حاکم کے حال کے مطابق ہوگا (کہ کفر اصغر ہے یا اکبر) اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس واقعہ یا کیس میں اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے یہ اس کا عقیدہ ہے مگر اس سے انحراف نافرمانی کی بنیاد پر کرتا ہے اور اس انحراف کی وجہ سے خود کو سزا کا مستحق سمجھتا ہے تو یہ کفر اصغر ہے اور اگر فیصلہ کرنے والے کا عقیدہ ہے کہ بماانزل اللہ فیصلہ ضروری اور واجب نہیں بلکہ اسے اختیار ہے اور یہ بھی اسے یقین ہے کہ اللہ کا حکم فلاں ہے تو (بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کرنا) کفر اکبر ہے اور اگر اسے اللہ کے حکم سے واقفیت نہیں تھی اور غلطی سے فیصلہ بغیر ماانزل اللہ کر لیا تو اس کے لیے غلطی کرنے والوں والا حکم ہے۔(مدارج السالکین: ۱/ ۳۶۵)

ابن قیم اور ابن ابی العز الحنفی رحمہما اللہ کے اقوال پر غور کریں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں نے (کفرا کبر کا) حکم اس پر لگایا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مجھے ماانزل اللہ اور بغیر ماانزل اللہ کے

مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار رہے یا اس کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو اہمیت نہیں دے رہا ہے تو تب اس کا حکم کفر اکبر کا ہے۔ ہمارے زمانے کے قاضیوں اور حاکموں کا یہی حال ہے۔کیا اللہ کے دین کی توہین یا اس کو اہمیت نہ دینا بڑا گناہ ہے یا یہ کہ قانون سازی کا حق بے دین، جاہل اور کمیونسٹ لوگوں یا ان کے پیروکاروں کے سپرد کیا جائے؟ اور وہ اپنی جو آراء چاہیں انہیں قانون کا درجہ دیدیں؟ یا انہیں اس فیصلے کا اختیا دے دیا جائے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ کریں یا نہ کریں۔اور یہ خود ساختہ قوانین کی جگہ اللہ کی شریعت کو اس وقت اپناتے ہیں جب ان کی خواہش کے مطابق ہو۔اس لیے مصری آئین میں لکھا ہے کہ احکام قوم کے نام سے نافذ ہوں گے (قوم کی آسانی کے نام پر یا جمہور کی رائے کے احترام کے نام پر) اس آئین میں یہ بھی ہے کہ کوئی قانون اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک قومی اسمبلی اس کی توثیق نہ کردے اور اسمبلی کی منظوری کے بغیر آئین میں کوئی ترمیم بھی نہیں ہوسکتی (شق ۱۱۸۴ آئین ۱۹۵۶ء۔۲۲-۶۸ مسودہ آئین۔۶۴-۶۶ ۱۹۷۱ء) کیا اس سے بڑا بھی کوئی گناہ ہے کہ جب حکام کو اللہ کی شریعت پر عمل و فیصلہ کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ کہے کہ میں اسمبلی کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہوں میں اس کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا؟ کیا اس سے بڑا انداق شریعت کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ اسے ثانوی حیثیت دی جائے اور قاضی اس کے بجائے کافروں کے بنائے قوانین کے مطابق فیصلے کریں؟ اس کی تائید اسکندریہ کے اپیلٹ کورٹ کے رکن جیوری سعد العیسوی کی بات سے بھی ہوجاتی ہے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جیوری کے ایک اور رکن نے ایک شرابی کے لیے کوڑوں کی سزاء تجویز کی جو شریعت اسلامی کے مطابق ہے تو سعد العیسوی نے کہا اگرچہ یہ فیصلہ صحیح ہے مگر آئین کی شق ۶۶ سے متصادم ہے جس میں لکھا ہے کہ کسی بھی جرم کی سزا اسی قانون کے مطابق دی جائے گی اس میں نہیں کہا جائے گا کہ شراب کی شرعی سزا کوڑے ہیں اور شریعت

اطاعت کے زیادہ لائق ہے اس لیے کہ تمام قوانین مرتب ہو چکے ہیں اب ان کے علاوہ کسی بھی قانون کے مطابق قاضی فیصلہ نہیں دے سکتا یہ فیصلہ اگر چہ اس کے دینی وسیاسی عقیدے ونظریے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ انسان کو مشرع بنانے کی بات ایک اور شق میں ہے جس میں لکھا ہے کہ قاضی اس قانون کی پیروی کرے گا اگر کسی کیس کا حل اس قانون میں نہ ہوا تو پھر وہ رواج اور حالات کے مطابق فیصلہ کرے گا اگر چہ یہ فیصلہ شریعت اسلامی کے مطابق نہ ہو۔ اور اگر طبعی قوانین اور عدالتی قواعد کے مطابق قانون نہ پائے تو پھر قاضی کے لیے ضروری نہیں کہ کسی فعل کو جرم قرار دے جب تک قانون نے اسے جرم نہ کہا ہو نہ ہی اسے کسی سزا کا اختیار ہے جو قانون نے مقرر نہ کی ہو۔ (جریدۃ اخبار الیوم ۔ ۱۹/۴/۱۹۸۲ء یہ باتیں محمود غراب نے اپنی کتاب احکام الاسلامیہ ادانۃ للقوانین الوضعیۃ میں نقل کی ہیں)

کیا اس سے بری بات اور ہو سکتی ہے کہ کچھ باغیرت لوگ اللہ کے دین لیے اٹھ کھڑے ہوں اور ان حکمرانوں کو یہ سمجھائیں کہ اللہ کے دین کی طرف رجوع کر لو تو یہ حکمران ان لوگوں کو سزائیں دیں انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کریں انہیں ختم کرنے کا حکم کریں؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ابن قیم اور ابن ابی العز الحنفی رحمہما اللہ ان حکمرانوں کے لیے کفر دون کفر کا لفظ استعمال کریں گے جنہوں نے اللہ کے دین کی توہین کی اس کا مذاق اڑایا اسے رجعت پسند قرار دیا؟ تمام بے دین وسیکولر لوگوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ جو چاہیں دین کے بارے میں کہیں ؟ مسلمانوں کو جو چاہیں کہہ دیا کریں اور اس کا نام آزادی رائے رکھیں اور جب بھی کوئی نیک آدمی لوگوں کو ان مفاسد سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو حکم بغیر ما انزل اللہ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں تو اس آدمی کو قید و بند اور قتل تک کی سزاء دی جاتی ہے۔ جن حکمرانوں نے سود، زنا، شراب اور دیگر قسم کی برائیوں کو جائز قرار دیدیا ہے اور کفار کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دے رکھی

ہے یہاں تک کہ غیر مسلموں کے ناپاک وجود کو ارض حرمین میں رہنے تک کی اجازت دیدی ہے اور کفار کے ساتھ ہر قسم کا ایسا تعاون شروع کر رکھا ہے جو مسلمانوں کو مٹانے کے لیے ضروری ہو اور انہوں نے ہر معاملے میں یہود و نصاریٰ کو ہی اپنا مشیر بنا رکھا ہے کیا ایسے مسلم حکمرانوں کے بارے میں ابن قیم اور ابن ابی العز رحمہم اللہ جیسے علماء نے (کفر دون کفر) کہا ہو؟ کیا کوئی ذی عقل سوچ سکتا ہے کہ یہ علماء کفر دون کفر ان حکمرانوں کے لیے استعمال کریں گے جنہوں نے مسلمانوں کی قیمتی زمینیں یہود و نصاریٰ کے حوالے کر دی ہیں بیت المقدس رسول ﷺ کا راستہ معراج ہم سے دور نہیں ہے (جو یہود کے حوالے ہو چکا ہے) یہ حکمران یہود کو خوش کرنے کے لیے سیمینار اور اجلاس منعقد کرتے ہیں ان کی وجہ سے بازار اور مارکیٹیں بنا رہے ہیں بلکہ یہود سے جہاد کرنے والوں کو مجرم اور قابل سزاء دہشت گرد تک قرار دے رہے ہیں (صرف یہود کی خوشی کے لیے) کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ علماء نے کفر دون کفر ان لوگوں کے لیے بولا ہوگا جو جہاد فی سبیل اللہ کو حرام قرار دیتے ہیں؟ اور اس کے لیے بنیاد یا وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا منشور ایک دوسرے پر حملوں کی اجازت نہیں دیتا جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ کو جرم گردانتے ہیں ایسا جرم کے جس کے خلاف تمام اقوام کو متحد ہو جانا چاہیے؟ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ علماء کا کلام اس حکمران کے بارے میں ہے جو مسلمان ہو، اللہ پر اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اسلام قائم کرتا ہو جہاد کے لیے فوجیں تیار کرتا ہو اور بھیجتا ہو لیکن رشوت یا قرابت یا خواہش کی وجہ سے کوئی فیصلہ غلط کرتا ہو ایسے حکمرانوں کے لیے کفر دون کفر استعمال کیا گیا ہے۔ علماء نے (فیصلہ کی) وہ قسم بھی بیان کر دی ہے جس کے لیے کفر دون کفر استعمال ہوتا ہے۔ یہ ان حکمرانوں کے لیے ہے جو (اللہ کی شریعت کے) وجوب کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ کیا موجودہ حکمرانوں میں کوئی ایسا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اور دل سے نہیں فقط زبان ہی سہی یہ اعتراف کرے کہ میں مستحق سزاء ہوں؟ اس لیے کہ میں

ہدایت اور صراطِ مستقیم ترک کر چکا ہوں؟ اب تو حکمران ہر غلط اور خلاف شرع کام شروع کرتے ہیں اور خود کو ہر قسم کی جوابدہی سے آزاد سمجھتے ہیں یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح اور عمدہ رائے والے ہیں ہمارے پاس روشن خیال اسلام ہے جبکہ ان کے مخالفین جو انہیں احکام شریعت کے قیام کی دعوت دیتے ہیں انہیں یہ متعصب، جاہل اور انتہاء پسند قرار دیتے ہیں تو کیا علماء کا قول (کفر دون کفر)ان کے لیے استعمال ہوسکتا ہے؟ ہر ذی عقل وصاحب شعور جب چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے(تو مسلم حکمرانوں میں صرف)ایسے ہی لوگ ہیں جو مغرب کے کارندے ہیں ہر ایک کی کوشش ہے کہ یہود ونصاریٰ کو خوش کرنے کے لیے دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ بعض مسلم حکمرانوں نے امریکہ کے ساتھ دس سالہ مشترکہ دفاعی وفوجی معاہدہ کررکھا ہے اور اپنی فوجوں کی تربیت بھی یہود کے حوالے کی ہے آئندہ دس سال کے لیے اور مسلمانوں کا سرمایہ ''پٹرول ''اسرائیل کو سستے داموں بیچنے کا بھی معاہدہ کرلیا ہے۔ یہ مجرم حکمران عراقی قوم (جو کہ مسلمان ہیں) کی مدد کرنے سے اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ اقوام متحدہ کا رکن ہے اور عراقی عوام کو (ظلم) کے نظام سے نجات دلانے کے لیے مدد نہیں دے سکتا۔ ایک اور حکمران امریکہ واسرائیل سے دوستی کے لیے ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کرانے کے لیے بھی تیار ہے چاہے ان مسلمانوں کو بدترین سزائیں دی جائیں انہیں قتل کردیا جائے۔ کیا یہی وہ حکمران ہیں جن کے بارے میں علماء نے کہا تھا کفر دون کفر؟ نہیں ہرگز نہیں ہمارے علماء اتنے سادہ اور ناسمجھ ہرگز نہیں تھے۔

شیخ عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ حفظہ اللہ نے کہا ہے جب ہم بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرنے والے حکمران کی گمراہی وسرکشی اور اس کے بارے میں شرعی حکم کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ حکمران نہیں ہوتا جو اللہ کی شریعت سے محبت کرتا ہے اور اس کے بدلے کسی اور شریعت کو پسند نہیں کرتا اور اپنی استطاعت کے مطابق زندگی کے تمام معاملات میں شریعت اسلامی کی تابعداری کرتا ہے لیکن کسی

معاملے میں اس کا نفس خیانت کر لیتا ہے اور کسی خواہش یا کمزوری کی بنا پر بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کر لیتا ہے جبکہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ ہماری مراد یہ صورت وحالت نہیں ہوتی جو کہ اب معدوم ہوتی جارہی ہے بلکہ ہماری مراد ایک اور صورت ہے جو مسلمان مما لک میں عام ہو چکی ہے یعنی وہ حاکم جس نے شریعت کو بدل دیا اور طاغوت کے قانون کو شریعت پر مقدم کر لیا اسے بہتر جانا لوگوں کو بھی اس کی اچھائی باور کرانی چاہی۔ ہماری مراد اس طرح کے حاکم ہیں جو اللہ کی شریعت سے دشمنی رکھتے ہیں اور اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام نافذ کرنے کی دعوت دینے والوں سے بھی دشمنی رکھتے ہیں جو مال، افراد اور اسلحہ کے زور پر قوانین کفریہ کا دفاع کرتے ہیں اور ان کی خاطر امت مسلمہ سے جنگ کرتے ہیں یہ ایسے حکمران ہیں جن کے ہر ہر عمل وحرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی شریعت سے نفرت کرتے ہیں ہماری مراد اس طرح کے حکمران ہیں جن کے خلاف سخت ترین تحریک چلانے کی ضرورت ہے تا کہ یہ حکمران اللہ کے احکام کی طرف آجائیں ہماری مراد وہ حاکم ہے جو زبان، عمل یا حال سے یہ ثابت کر دے کہ وہ حکم بغیر ما انزل اللہ کو جائز سمجھتا ہے، یہ ہے وہ بدترین حالت جو امت کے بڑوں پر طاری ہے اس طرح کے سرکش حکمران ہماری مراد ہیں انہی کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ان کے ظاہری کفر پر قرآن وسنت اور علمائے معتبرین کی آراء اس طرح متفق ہیں کہ ان کے کفر میں کسی قسم کا شک شبہ باقی نہیں رہا۔ ان کی تکفیر میں صرف وہی شخص توقف کرسکتا ہے جو جاہل، اندھا بصیرت سے عاری یا خود مشکک ہو۔(الطاغوت لمصطفی عبدالمنعم حلیمة:۸۲-۸۳)

آخر میں ہم احمد شاکر رحمہ اللہ کا قول پیش کر رہے ہیں جس سے موجودہ اور ان حکمرانوں کا فرق واضح ہو جائے گا جن کے لیے کفر دون کفر کہا گیا تھا۔ احمد شاکر رحمہ اللہ کے بھائی محمود شاکر اپنے بھائی کا قول بیان کرتے ہیں انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابی مجلز کے اثر پر بات کرتے ہوئے کہا

ہے۔فتنہ پروراورشکوک پیدا کرنے والے لوگوں نے ان حکمرانوں کے لیے بہانے تراش لیے ہیں جو بغیر ما انزل اللہ فیصلے کرتے ہیں اور لوگوں کے مال، جان اور عزتوں کے بارے میں فیصلے غیر اللہ کی شریعت کے مطابق کرتے ہیں کفریہ قوانین کو اپنے ملکوں میں رائج کرتے ہیں جب ان دونوں (کفریہ قانون اور شریعت اسلامیہ) پر توقف کرتے ہیں تو مال ، جان اور عزتوں کے بارے میں بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرنا صحیح سمجھتے ہیں اور عام فیصلوں میں بغیر ما انزل اللہ کرنے کے باوجود انہیں کافر نہیں سمجھتے نہ ان پر عمل کرنے والوں کو،ابومجلز سے خوارج کا جو سوال تھا①۔ابومجلز کے قول سے ہمارے زمانے کے لوگ دلیل لیتے ہیں ان حکمرانوں کے دفاع کے لیے جو لوگوں کے مالوں ،جانوں اور عزتوں کے فیصلے شریعت کے مخالف قوانین کے ذریعے کررہے ہیں اور خلاف اسلام قوانین نافذ کررہے ہیں ان کے لیے ابومجلز وخوارج کے سوال وجواب سے کوئی دلیل نہیں لی جاسکتی اس لیے کہ ان کا یہ طرز عمل اللہ کی شریعت سے اعراض اور کفریہ احکام کی طرف رغبت و جھکاؤ ہے جبکہ یہ عمل کفر ہے اس میں کسی بھی اہل قبلہ کو شک نہیں ہے نہ ہی کسی نے ایسے لوگوں کی تکفیر میں اختلاف کیا ہے۔آج جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی شریعت کو اللہ ورسول ﷺ کی شریعت پر ترجیح دی جارہی ہے اللہ کی شریعت کو مکمل طور پر معطل

① :ابی مجلز اور خوارج کے سوال جواب کا پس منظر یہ ہے کہ خوارج نے ابومجلز سے کہا کہ اللہ کے نازل کردہ پر فیصلہ نہ کرنے والے(ومن لم یحکم ......) کافر ہیں ؟ اس نے کہا ہاں۔خوارج نے کہا ظالم ہیں ۔(ومن لم یحکم ......)اس نے کہا ہاں۔خوارج نے کہا کیا یہ لوگ (حکمران)اللہ کے دین کے مطابق وہ فیصلے کررہے ہیں؟اس نے کہا ہاں وہی ان کا دین ہے جس کے مطابق وہ فیصلے کرتے ہیں اسے بیان کرتے ہیں اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جب دین میں سے کچھ ترک کرلیتے ہیں تو یہ جانتے ہیں کہ یہ انہوں نے غلطی کی ہے ابومجلز نے یہ باتیں تابعین حکام کے دور میں کی تھیں جو کہ اللہ کی شریعت کو نہیں بدلتے تھے نہ ہی بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرنا ان کا مقصود ہوتا تھا البتہ ان میں کچھ ظلم وزیادتی اور معصیت پائی جاتی تھی لہٰذا ان حکمرانوں کو موجودہ حکمرانوں کے برابر قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ یہ لوگ تو کھلم کھلا بغیر ما انزل اللہ فیصلے کرتے ہیں اور ان قوانین اور طریقوں پر اعتماد کرتے ہیں جو شریعت سے مکمل طور پر متصادم ہیں۔

کر دیا گیا ہے بلکہ اب تو غیر اللہ کے قوانین کو اللہ کے احکامات سے افضل و بہتر قرار دیا جا رہا ہے ۔اگر بات وہاں تک رہتی جو ان کے خیال میں ابومجلز کے واقعے کی طرح ہے کہ انہوں نے حکمرانوں کے بارے میں یہ خیال کرلیا کہ اس نے احکام شریعت میں سے کسی ایک حکم کی مخالفت کی ہے تو پھر یہ حکمران یا تو لاعلمی میں ایسا کر چکا ہے اور شریعت سے ناواقف ہے یا اس نے معصیت اور خواہش کی وجہ سے کیا تو گناہ گار ہے اس سے توبہ کی جاسکتی ہے مغفرت مانگی جاسکتی ہے یا اس کی صورت میں یہ ہو کہ فیصلہ کسی ایسی تاویل کی وجہ سے کیا ہو جو دیگر علماء کے خلاف ہو اس کا حکم ہر اس تاویل کا ہوگا جو کتاب وسنت کے کسی نص کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔یا یہ صورت ہو کہ ابومجلز کے زمانے یا اس سے قبل یا بعد میں کسی حاکم نے کوئی فیصلہ یا حکم کیا ہو اور وہ شریعت کے احکام کے خلاف ہو یا اہل کفر کے احکام کو شرعی احکام پر اثر ڈالنے والا ہو اگر ایسا نہیں تو ابومجلز کا کلام اس کی طرف پھیرنا جائز نہیں ہے ۔جس نے ان دونوں اثروں سے غلط مقام پر دلیل لی یا انہیں کسی اور معنی کی طرف پھیر دیا اور مقصد کسی حکمران کی مدد کرنا تھا یا بغیر ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کو جائز بنانے کے لیے حیلہ کر رہا ہو تو اس آدمی کا حکم یہ ہے کہ اسے اللہ کی شریعت کا منکر کہا جائے گا اس سے توبہ کروائی جائے گی اگر اپنے عمل پر مُصر رہا ہے اور شرعی احکام کی تبدیلی پر راضی رہا تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کافر ہے جو اپنے کفر پر اصرار کرنے والا ہے اس دین کے ماننے والوں کے ہاں یہ معروف (بات) ہے۔(عمدة التفسیر: ٤/١٥٥-١٥٨)

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ممکن نہیں ہے کہ ایمان اور اللہ کی شریعت پر تحکیم نہ کرنا اس پر راضی نہ ہونا یہ جمع نہیں ہوسکتے۔جو لوگ اپنے یا دوسروں کے بارے میں ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر اپنی زندگی میں اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے یا اپنے خلاف اگر حکم شرعی جاتا ہو تو اسے پسند نہیں کرتے یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹے اور اس آیت کا مصداق ہیں

:وَمَـا اُوْلٰئِکَ بِـمُـؤْمِنِینَ۔ یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور حکم پر عمل کرنا صرف حکمرانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ عوام بھی اگر ایسا کریں گے تو وہ بھی دائرہ ایمان سے نکل جائیں گے اگر چہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے:

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا(نساء:٦٥)

اصل مسئلہ ہے اللہ کی الوہیت وربوبیت کا اقرار اور اسے لوگوں پر قائم کرنا یا اسے ترک کردینا اللہ کی شریعت کو قبول کرنا اور اس کے حکم پر راضی ہونا الوہیت وربوبیت کا اقرار ہے اور اسے ترک کرنا اس سے منہ پھیرنا یہ اس اقرار کو ترک کرنے کی علامت ہے۔(الظلال:٢/٨٩٥)

دوسری قسم کا کفر ہے حاکم کا کفر یعنی بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرنا یہ کفر ملت سے خارج کرنے والا نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر گزر چکی ہے کہ:**وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ.** میں حکمرانوں کا یہ کفر بھی شامل ہے اور یہ کفر دون کفر ہے یہ وہ کفر نہیں ہے جو تم مراد لیتے ہو یہ کفر وہ ہے کہ حاکم کو اس خواہش بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرنے پر آمادہ کرے جبکہ اس کا اعتقاد ہو کہ اللہ و رسول ﷺ کا حکم حق ہے اور اپنے فیصلے کو غلطی قرار دیتا ہو۔(رسالة تحكيم القوانين:٧)

سعودی عرب کے افتاء کی مستقل کمیٹی کا فتویٰ ہے کہ:**وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ.** میں جس کفر کا ذکر ہے اس سے مراد کفر اکبر ہے اس کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:جس نے قرآن کو ردّ کیا اور رسول ﷺ کے فرمان کا انکار کیا وہ کافر ہے۔جبکہ وہ شخص کہ جو بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی کررہا ہے مگر رشوت یا کوئی اور وجہ سے اسے ایسا کرنے پر آمادہ کرتی ہے تو یہ کفر اکبر نہیں ہے بلکہ یہ

اللہ کا فرمان ہے اور کفر دون کفر، ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق میں مبتلا ہے۔فتوی پر جن مفتیان کرام کے دستخط ہیں وہ یہ ہیں:

① عبداللہ بن قعود

② عبداللہ بن غدیان

③ عبدالرزاق عفیفی

④ عبدالعزیز بن باز۔

(فتاویٰ اللجنة الدائمة،جمع الدرويش فتوى:٦٢٢٥ ج ٣٩/٢، عمدة التفسير:١٥٧/٤، فتاوى ابن عثيمين:٥١/٣، واقعنا المعاصر لمحمد قطب :٣٣٣، الحد الفاصل بين الايمان والكفر للشيخ عبدالرحمان بن عبدالخالق:١٥)

دکتور عمر عبدالرحمٰن کہتے ہیں: ہمارے سامنے دو قسم کے حکمران ہیں:

① مسلمان حکمران جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتے ہیں مگر تحکیم بما انزل اللہ کو بعض مواقع پر ترک کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ نافرمانی اور گناہ کا کام کر رہے ہیں۔ دوسرا وہ حاکم ہے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلے کرتا ہے دوسروں کو بھی ان قوانین پر عمل کرنے کے لیے اکساتا یا آمادہ کرتا ہے اللہ کی شریعت کو ختم کرتا ہے تو دونوں قسم کے حکمرانوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا اور وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. میں سے دونوں پر کیا حکم لگے گا؟ کیا وہ حکمران کہ جس نے اپنی حکومت کی بنیاد اسلام پر رکھی ہے اور وہ اس بات کو بھی یاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے وکرانے کا پابند ہے اللہ کے احکامات نافذ بھی کرتا ہے مگر اس سے ایک معصیت ہوگئی کہ ایک موقع پر اللہ کے نازل کردہ دین

کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکا شریعت کا انکار یا اسے تبدیل نہیں کرتا نہ ہی غیر اللہ کے حکم وقانون کو اللہ کے حکم سے بہتر مانتا ہے اس کے پاس اللہ کے قانون کے علاوہ کوئی اور قانون بھی نہیں ہے کہ جس کے پاس فیصلہ لیجانے کا لوگوں کو حکم کرتا ہو۔ جبکہ دوسرا حکمران وہ ہے جس کی حکومت کی بنیاد انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر ہے وہ اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکومت نہیں کرتا اس لیے کہ اس نے یہ یاد نہیں رکھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اس کے احکامات نافذ کرنے کا پابند ہے بلکہ وہ پارلیمنٹ یا پارٹی یا ملکی نظام کو قانون بنانے کا حق دار سمجھتا ہے اور اللہ کے بجائے ان کے قوانین کو نافذ کرتا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ان میں پہلا حکمران مسلمان ہے مگر نافرمانی کر چکا ہے مسلمان اس لیے ہے کہ اس کی حکومت صرف اسلام پر قائم ہے وہ قانون سازی صرف اللہ کا حق سمجھتا ہے اس میں کسی اور کو شریک نہیں مانتا وہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کا نگراں وخلیفہ ہے اور اللہ کے بندوں کے درمیان فیصلے اللہ کے قانون کے مطابق ہی کرے گا۔ نافرمان اس لیے ہے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اگر چہ ایک واقعہ میں تھا اس میں بھی وہ شریعت کا منکر نہیں تھا نہ ہی شریعت کو تبدیل کر رہا تھا نہ متبادل لایا ہے۔ ایسے حکمران کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کفر دون کفر کہا اور **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ.** کی تفسیر میں کہا تھا کہ یہ وہ کفر نہیں ہے جو تم مراد لیتے ہو (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت ضعیف ہے) دوسرا حکمران کافر ہے اس لیے کہ اس لیے کہ اس نے خود کو یا کسی اور کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا خود کو صفت ربوبیت سے متصف کرنا چاہے جو کہ خالصتاً اللہ کی صفت ہے یہ صفت ربوبیت اور قانون سازی کا حق ہے اللہ فرماتا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ(شوری: ۲۱)

کیا ان کے شریک ہیں جو ان کے لیے دین میں سے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے؟

جس نے ایسا کیا وہ قطعی طور پر کافر ہے اور یہ کفر اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دینے والا ہے اگر چہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے یہ ہے وہ حق بات جس میں شک نہیں اور یہی دونوں قسموں کے بارے میں واضح ترین بات اور فیصلہ ہے۔(اصناف الحکام واحکامھم للدکتور عمر عبدالرحمن:۵۹-۶۰)

اس طرح کے اقوال کو اپنے اپنے مقام پر استعمال کرنا چاہیے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اقوال کو غیر مناسب مقامات پر استعمال کرے ایسا نہ بنے جیسا کہ شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہل علم کی بات کو بے محل استعمال کرنا تازگی (افادیت) کھو دیتا ہے۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کو معلوم تھا کہ اللہ کے حکم پر عمل اور فیصلہ کا ہر زمانے اور ہر مقام پر کچھ لوگ مقابلہ کریں گے اور ان لوگوں کے دل اللہ کے دین کو قبول نہ کریں گے یہ سرکش اور بڑے عہدوں والے اور حکومت کے کارندے ہوں گے یہ مخالفت اس لیے کریں گے کہ یہ دین ان لوگوں سے الوہیت کی چادر چھین لیتا ہے جس کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں اور ان سے حاکمیت اور تشریع اور وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق چھین لیتا ہے۔(اللہ کو یہ بھی معلوم تھا) کچھ مادہ پرست مصلحتوں کے مارے جن کا دارومدار ہی دھوکے، ظلم اور حرام خوری پر ہوگا وہ بھی اس دین کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں گے اس لیے کہ اللہ کا عادلانہ نظام نافذ ہو تو ان کی ظالمانہ مصلحتیں ختم ہو جائیں۔

(اللہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ) خواہشات کے پیروکار، بدکردار لوگوں کی تطہیر کے یہ دین سامنے آئے گا انہیں سزا دے گا اور یہ لوگ اس دین کے مقابلے پر اتر آئیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں چاہتے

کہ عدل، اصلاح اور بھلائی دنیا میں پھیل جائے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ حکم بما انزل اللہ کا مقابلہ مختلف اطراف سے ہوگا اور اس کے محافظین اور نگرانوں کو چاہیے کہ اس کے مقابلے کے لیے تیار رہیں اس کے لیے کمر بستہ ہوں اس کے لیے جو بھی پریشانیاں اٹھانی ہوں ان کے لیے دلی طور پر آمادہ رہیں اپنا مال بھی خرچ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ فَلَاتَخْشَوُ النَّاسَ وَاخْشَونِی. لوگوں سے مت ڈرو مجھ سے ڈر جاؤ۔ ان محافظین کے دلوں میں لوگوں کا ڈر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کا پختہ عزم ہونا چاہیے مقابلے پر وہ سرکش لوگ ہوں جو دل سے اسلام کو پسند نہیں کرتے۔ یا وہ لوگ جنہوں نے دین کو صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنا رکھا ہے۔ یا وہ گمراہ گروہ ہوں جو احکام شریعت کو بہت بھاری اور مشکل تصور کرتے ہیں اللہ کے دین کے محافظین کو ان میں سے کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے اور زندگی میں شریعت اسلامی کو نافذ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے صرف اللہ کی ذات اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ. اس آیت میں کلمہ شرط اور تعمیم ہے جس کی وجہ سے یہ آیت زمان ومکان اور تاویلات کی قید سے آزاد ہے۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو اللہ کے دین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا چاہے کہیں کا ہو کسی بھی قوم قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ اللہ کی الوہیت کو جو کہ اللہ کا خاصہ ہے اس کو پس پشت ڈال رہے ہوتے ہیں اور اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہی ان دونوں کاموں میں سے ہر ایک کفر ہے۔ اس واضح اور فیصلہ کن معاملے کے اندر بھی چونکہ چنانچہ کرنا دراصل حقیقت سے فرار کی کوشش ہے اس میں تاویل کرنا بھی کلام کو مقصود سے ہٹانا ہے اس قسم کی باتوں کی کوئی قدر و قیمت اور وقعت نہیں ہے۔ (الظلال: ۲/۸۹۷-۸۹۸)

چوتھی بنیاد: ایسے قوانین بنانا جنکی اجازت اللہ نے نہیں دی

اور شریعت کے احکام کو تبدیل کرنا

سابقہ بنیاد کی وضاحت میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مسئلہ حکم وتشریع ترک حکم بما انزل اللہ تکفیر کی بنیاد اور سبب ہے اور اس بارے میں جو کفر ہوتا ہے وہ کفر اکبر ہوتا ہے جو مکمل طور پر ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔اب اس بنیاد کی تشریح میں ہم یہ بتائیں گے کہ قرآن وسنت کے علاوہ لوگوں کے لیے قوانین بنانا اسلام سے خارج کر دینے والا کفر ہے جس طرح کہ شرکیہ طاغوتی اسمبلیوں کے ممبران کرتے ہیں (جنہوں نے خود کو الٰہ بنا رکھا ہے) اسی طرح اللہ کے احکام کو تبدیل کر کے ان کی کفریہ وضعی قوانین کو لانا بھی کفر ہے اسلام سے خارج کر دینے والا ہے۔اس بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

① اللہ کا فرمان ہے:

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ(شوریٰ:۲۱)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو ان کے لیے دین میں سے ایسی شریعت بناتے ہیں جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔

جو لوگ ایسے قوانین بناتے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی انہیں اللہ نے کفار قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ خود کو الٰہ بناتے ہیں قرآن نے انہیں شرکاء کہا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کی مخصوص ترین صفات میں اللہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ صفت ہے حکم وتشریع اور تنازعات کے فیصلوں کی صفت۔جو لوگ ان قانون سازوں کو اس کام کی اجازت دیتے ہیں یا ان کے لیے جائز سمجھتے ہیں وہ ان کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس آیت میں ایسی وضاحت ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کہ جو شخص خود کو قانون ساز بناتا ہے یا لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ شریعت آسمانی کے مخالف قوانین کو اپناؤ تو یہ کافر ہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کا فرمان

ہے اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا...... جو شخص اپنے قول یا فعل سے کسی کام کو واجب یا مندوب قرار دے اور اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے اور وہ کام اللہ نے نہ کہا ہو تو ایسا دین بنانا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی اور جس نے اس معاملے میں اس کی تابعداری کی اس نے اسے اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیة:٢٦٧)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ عقیدہ کسی کے بارے میں رکھے کہ یہ بھی کسی چیز کو حرام قرار دے سکتا ہے جو نبی ﷺ کے انتقال کے وقت تک حرام تھی یا کسی چیز کو حرام قرار دے سکتا ہے جو نبی ﷺ کے انتقال کے وقت تک حلال تھی یا ایسی حد واجب کرتا ہے جو آپ ﷺ کے انتقال کے وقت تک واجب نہیں تھی یا ایسا قانون بناتا ہے جو آپ ﷺ کے انتقال تک نہیں بنا تھا تو یہ شخص کافر، مشرک ہے۔اس کی جان و مال حلال ہے اس کا حکم مرتد کا ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام : ١/٧٣)

مزید فرماتے ہیں : اگر کوئی شخص نہ نظریہ رکھتا ہو کہ نبی ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی حدیث منسوخ کی جاسکتی ہے یا ایسا قانون بنایا جاسکتا ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا تو یہ کافر مشرک حلال دم و مال ہے بت پرستوں کا ساتھی ہے اس لیے کہ یہ اللہ کے کلام کو جھٹلا رہا ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا .(مائدہ:٣)

میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔

فرمان ہے:

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ(آل عمران:۸۵)

جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کیا یا اپنایا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا یہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں یہ حکم اس طرح تھا اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بدل گیا ہے تو یہ شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کررہا ہے اس لیے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں جو عبادات ، واجبات ،محرمات اور مباحات تھیں اسلام وہی ہے اس کے علاوہ کوئی اسلام نہیں ہے جس نے اس میں سے کوئی چیز ترک کی اس نے اسلام کو ترک کرلیا جس نے اس کے علاوہ کوئی قانون بنایا اس نے اسلام کے علاوہ دین تلاش کرلیا۔اس بات میں کوئی شک نہیں جو اللہ نے بتائی ہے کہ اس نے اسلام مکمل کرلیا ہے اس آیت کے بعد جو بھی آیت یا حدیث آئی ہے وہ سابقہ کی تفسیر وتشریح اور تاکید ہے۔(الاحکام:۲/۱۴۴-۱۴۵)

ابویعلیٰ الفراء کہتے ہیں : جو چیز نص صریح سے حرام ہو یا اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کی ہو یا مسلمانوں نے اس کی حرمت پر اجماع کیا ہو تو اس کو حلال سمجھنے یا قرار دینے والا کافر ہے جیسا کہ شراب کو جائز قرار دیا جانا یا نماز روزہ زکاۃ سے منع کرنا اسی طرح نص ،رسول ﷺ کے فرمان سے کوئی چیز حلال قرار دی گئی ہو اس کو حرام قرار دینا باوجود معلوم ہونے کے اس طرح کرنے والا کافر ہے۔(المعتمد فی اصول الدین لابی یعلیٰ الحنبلی:۲۱۷)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو چیز بالاجماع حلال ہے اسے حرام کرنے والا یا جو بالاجماع حرام ہے اسے حلال قرار دینے والا یا اجماع جس پر ہوا ہو اس شرعی حکم کو بدل دینے والا باتفاق فقہاء کافر ہے۔(مجموع الفتاوی:۳/۲۶۷)

جس اتفاق یا اجماع کا ذکر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ صحیح ہے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسی چیز کو حلال جس کی حرمت پر اتفاق ہو چکا ہو اور اسے لوگوں کے لیے جائز قرار دیا جیسے سود، شراب، ارتداد تو یہ شخص کافر ہے اگر چہ یہ کام اس نے کسی بھی نام سے کیا ہو اسی طرح علماء کا اس شخص کے کفر میں بھی اختلاف نہیں ہے جس نے بالاتفاق حلال قرار دی جانے والی شیٔ کو حرام کہا۔ اور وہ شخص بھی (بالاتفاق کافر ہے) جو اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کی جگہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو رائج کرتا ہے یہ سب کفر ہے اس میں کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: جو عالم اللہ و رسول، کتاب و سنت کا علم چھوڑ کر کسی حاکم کے خلاف اسلام حکم کو اپناتا ہے وہ مرتد کافر ہے دنیا و آخرت میں سزاء کا مستحق ہے اللہ کا فرمان ہے:

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ. (اعراف: ۱-۳)

کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے آپ کے سینے میں اس کی تنگی نہ ہو ۔تا کہ تم اس کے ذریعے سے ڈراؤ اور مومنوں کے لیے نصیحت ہے تابعداری کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کے علاوہ دوستوں کی پیروی مت کرو تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اگر چہ ایسا کرنے والے عالم کو قید میں ڈالا جائے، مارا پیٹا جائے ایذائیں دی جائیں اس کے لیے جائز نہیں کہ یہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور کے قوانین کی پیروی کرے بلکہ اس کو صبر کرنا چاہیے

اگر چہ تکالیف وایذا ئیں دی جا ئیں ۔ یہ ہے انبیاء اوران کے متبعین کی سنت اللہ کا فرمان ہے:

الٓمٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْآ اَنْ یَّقُوْلُوْآ اٰمَنَّا وَ هُمْ لاَ یُفْتَنُوْنَ ۞ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ

کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ صرف یہ کہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں (اور کیا وہ سمجھتے ہیں کہ) انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو آزمایا ہے تا کہ سچے اور جھوٹے معلوم ہو سکیں (عنکبوت)۔

(مجموع الفتاوی:۳۵/۳۷۳)

ڈاکٹر محمد نعیم یاسین کہتے ہیں: ہر اس شخص کو کافر کہا جائے گا جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ چونکہ میرے ہاتھ میں حکومت واختیارات ہیں لہٰذا مجھے ایسے قوانین بنانے کا حق ہے جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔ وہ یہ دعویٰ کرے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا مجھے حق حاصل ہے اسی میں سے ان احکام وقوانین کا بنانا بھی ہے جو زنا، شراب اور بے پردگی کو جائز قرار دیتے ہیں یا اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں تبدیلی کرتے ہیں یا زکاۃ ، میراث ، کفارات ۔عبادات وغیرہ میں تبدیلی کرتے ہیں لہٰذا کوئی حکمران اگر کتاب وسنت سے متعارض ومتصادم قوانین بنانے کا خود کو حق دار سمجھتا ہے اور اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام قرار دیتا ہے تو یہ دین سے ارتداد ہے کفر ہے۔جس نے ایسا قانون بنایا کہ اس کی وجہ سے زنا، سود یا اور کوئی ایسی معصیت جائز قرار پاتی ہو جس کی حرمت اللہ کی شریعت سے ثابت ہے تو یہ حکمران کافر ہے اور جو لوگ اس قانون کو پسند کرتے ہیں یا اس حکمران کے اس عمل کو جائز کہتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔(الایمان:لمحمد نعیم یاسین:۱۰۲-۱۰۴)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن اور اجماع سے ثابت ہے کہ دین اسلام نے اپنے سے ماقبل

تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے اب جس نے تورات اور انجیل کو لازم پکڑ لیا اور قرآن کی اتباع نہ کی تو وہ کافر ہے اللہ نے وہ تمام قوانین ختم کر دیئے جو توراۃ اور انجیل اور دیگر ملتوں میں تھے اور تمام جنوں اور انسانوں پر اسلامی احکامات کی پابندی لازمی قرار دی ہے اب حرام صرف وہی ہے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور فرض وہی ہے جسے اسلام نے فرض کہا ہے۔(احکام اھل الذمۃ لابن قیم : ۲۵۹/۱)

اگر کوئی شخص تورات اور انجیل کی اتباع کرتا ہے جو کہ تبدیلی سے قبل آسمانی کتابیں تھیں اور قرآن وسنت کے احکام کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ کافر ہے ملت سے خارج ہے تو اس آدمی کو کیا کہا جائے گا جو قرآن ،تورات اور انجیل سب کو چھوڑ کر بے دین اور مجرموں کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے جو آج ایک چیز کو حرام کل حلال قرار دیتے ہیں لازمی بات ہے کہ یہ لوگ بدرجہ اولیٰ کافر ہیں ان لوگوں کی بنسبت جو تورات وانجیل پر عمل پیرا ہو کر قرآن کو ترک کر دیتے ہیں موجودہ شرکیہ اسمبلیوں میں یہی ہو رہا ہے جنہیں ترقی اور تہذیب کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔

احمد شاکر رحمہ اللہ کہتے ہیں :مسلمانو، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو تمام مسلم ممالک کو دیکھو ان میں اکثر ممالک ایسے ہیں جن میں ملعون کافر قوانین نافذ ہیں جو یورپ کے قوانین سے ماخوذ ہیں جن کی رو سے سود کو حلال قرار دیا گیا ہے اگر چہ الفاظ کا کھیل کھیلا گیا ہے اور سود کا نام منافع رکھ دیا گیا ہے اب تو ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور اس قسم کے منافع کا دفاع کرتے ہیں اور علمائے اسلام کو جاہل قرار دیتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے سود کو حلال کرنے کے لیے ان لوگوں کے یہ حیلے قبول نہیں کیے۔ مسلمانو کیا اللہ نے قرآن میں کسی گناہ پر جنگ کا اعلان نہیں کیا ہے سوائے سود کے لہٰذا پہلے خود کو اپنے دلوں میں ٹٹولو اللہ پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

(عمدۃ التفسیر :۱۹۷/۲،شیخ احمد شاکر اور :۱۷۵/۱-۲۰۴)

سابقہ دلائل اور علماء کے اقوال سے اس آدمی کا حکم واضح ہوگیا جو اپنے لیے قانون سازی کے حق کا دعوی کرتا ہے یا عملاً ایسا کرتا ہے یا اللہ کے اس دین کو بدل ڈالتا ہے جو محکم ہے اور ہر خیر کا حکم دینے والا ہر برائی سے روکنے والا اس طرح جو شخص اس عمل پر راضی رہتا ہے یا اس میں حصہ لیتا ہے یہ کفر ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور جو لوگ دوسروں کے لیے قانون بناتے ہیں یہ اللہ سے اس کی خصوصی صفتِ الوہیت چھیننا چاہتے ہیں اور وہ خصوصی صفت یہ ہے حکم وتشریع اور تنازعات میں فیصلے۔اسلامی کہلانے والے جتنے ممالک ہیں اگر ان پر نظر ڈالی جائے تو ہر جگہ اللہ کے علاوہ رب نظر آئیں گے جو اللہ کا حق تشریع حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے بنائے ہوئے ملعون قوانین کو شریعت کے بدلے میں رائج کرلیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی کفر وشرک ہوسکتا ہے؟

نوٹ:ایک فرق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ کتاب وسنت کے خلاف بنائے گئے لوگوں کے قوانین پر عمل کرنا اور بنانا ان کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا کفر ملت سے خارج کرنے والا ہے جبکہ ایک وہ انتظامات اور طریقے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہیں بلکہ شریعت کو ملک میں رائج کرنے کے لیے اپنائے گئے ہیں تاکہ زندگی بہتر گزر سکے اور شریعت کے مقاصد پورے ہوسکیں اور یہ انتظام وطریقے کتاب وسنت کے مطابق ہیں اور شریعت کے اصولوں سے ہی اخذ کیے گئے ہیں شرعی احکام کی اتباع کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔انسانوں کے قانون سے ماخوذ نہیں ہیں ان دونوں باتوں میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ فرق یاد رکھنا چاہیے کہ ایک ہے ایسا وضعی نظام کہ اس کو اپنانے سے خالق ارض وسماء کا کفر لازم آتا ہے اور دوسرا نظام وہ ہے جس سے ایسا نہیں ہوتا اس کی تفصیل یہ ہے کہ نظام کی دو قسمیں ہیں۔ادارتی۔شرعی۔

① ادارتی: سے مراد ہے امور کو اس طرح ترتیب دینا کہ شریعت کی مخالفت نہ ہو اس میں کوئی ممانعت نہیں نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی مخالفت ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کے بہت سے کام کیے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے مثلاً فوجیوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھنا ان کی حاضریاں لینا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ نہیں کیا تھا اور صفوان بن امیہ کا مکہ مکرمہ میں گھر تھا اسے خرید کر عمر رضی اللہ عنہ اسے جیل بنا دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس طرح کے انتظامی کام جو حکومتی امور کو بہتر طریقے سے چلانے کے لیے ہوتے ہیں یہ شریعت کے مخالف نہیں ہوتے جیسے ملازمین کی تنخواہیں مقرر کرنا یا اور کوئی انتظامی ایسا کام کرنا جو شریعت کے خلاف نہ ہو اس طرح کے نظام اور انتظام بنانے میں کوئی حرج نہیں نہ ہی یہ شریعت کے اصولوں سے خروج ہے یہ عوام کی مصلحت کے لیے ہیں البتہ وہ نظام جو لوگوں نے بنایا ہو اور اللہ کی شریعت کے خلاف ہو تو اس کا نفاذ کفر ہے جیسا کہ کوئی کہے میراث میں مردوں کو عورتوں پر برتری انصاف نہیں ہے دونوں کو میراث میں برابر حصہ ملنا چاہیے یا یہ دعوی کرنا کہ تعدد ازدواج ظلم ہے۔ یا یہ کہ طلاق عورت کے لیے ظلم ہے یا یہ کہ رجم اور ہاتھ کاٹنا وحشیانہ سزائیں ہیں یہ انسانی معاشرے کے لیے مناسب نہیں۔ اس طرح کے نظام کو ماننا و نافذ کرنا لوگوں کے مال، جان، نسب و عزتوں کے لیے ان عقول اور دین کے لیے یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے اللہ کے نظام سے بغاوت ہے اللہ اپنے بندوں کی مصلحت سے اچھی طرح واقف ہے اور دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے وہی قانون ساز ہے۔ (اضواء البیان: ٤/ ٨٢-٨٥)

حکمرانوں کی اقسام اور ان کا حکم

مقدمہ: اللہ نے اس دنیا کے لیے ایک نظام بنایا ہے اس کے مطابق بندوں کے لیے چلنا واجب

ہےاس نظام سے نکلنے کا ان کے لیے جواز نہیں ہے اس لیے اللہ نے اپنا یہ دین لوگوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے تا کہ اللہ کو ان پر حجت کاملہ حاصل ہو اور لوگوں کو اللہ کے ہاں کوئی بہانہ اور عذر یا حجت نہ مل سکے قرآن وسنت میں اس کے بہت سے دلائل ہیں اللہ کا فرمان ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. (نساء:١٦٥)

رسول (بھیجے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تا کہ لوگوں کے پاس اللہ کے ہاں کوئی دلیل وحجت نہ ملے رسولوں کی بعثت کے بعد۔

فرمان ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ. (نحل:٣٦)

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (وہ قوم سے کہتے تھے) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

اللہ کا اپنی مخلوق پر احسان اور رحمت ہے کہ اس نے پے در پے انبیاء مبعوث فرمائے تا کہ وہ اللہ کا دین قائم کریں جیسا کہ فرمان ہے:

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خلاَ فِیْھَا نَذِیْرٌ(فاطر:٢٤)

کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجا جو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم کرتا تھا اور شرک سے بچنے کی تا کید اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے اس کی نافرمانی سے بچنے کا حکم کرتا تھا۔ اللہ نے رسالت کے اس سلسلے کا جناب محمد ﷺ پر اختتام کیا ان کے بعد کوئی رسول نہیں۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ. (احزاب: ۴۰)

محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں البتہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

رسول ﷺ کا فرمان ہے: میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی نے ایک عمارت بنائی بہت خوبصورت اور حسین مگر ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ آتے ہیں اس گھر کو اندر سے باہر سے، چاروں طرف سے اچھی طرح دیکھتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں تعریف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں یہاں (خالی جگہ میں) اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں (جس نے یہ عمارت مکمل کر دی) میں ہی سلسلہ نبوت کی تکمیل کرنے والا خاتم النبیین ہوں (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ احمد)۔

اللہ نے جو بھی نبی بھیجا اس کے بعد اس کے جانشین خلفاء بنائے جنہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں میں سیاست کریں اللہ کی شریعت کے مطابق ان کی قیادت و سیادت کریں۔ ابو حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا ان سے میں نے رسول ﷺ کی حدیث سنی آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے اور جب کوئی نبی دنیا سے چلا جاتا تو دوسرا نبی آجاتا اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے والے کی بیعت کرو انہیں ان کا حق دیا کرو اللہ ان سے تمہارے حق کے بارے میں باز پرس کرے گا (مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)۔

امامت و خلافت کا منصب بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو مخاطب کرتے وقت انسان کو خلیفہ کہا تھا۔ خلیفہ انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں جیسا کہ رسول ﷺ کے فرمان سے ثابت

ہوتا ہے جو لوگوں کو اللہ کے دین پر قائم رکھتا ہے اس لحاظ سے وہ امت میں نبی کا قائم مقام ہوتا ہے خلیفہ ہی دنیا کی سیاست دین کے مطابق کرتا ہے(احکام السلطانیة للماوردی:۵) ۔خلیفہ ہی تمام لوگوں کو دنیاوی واخروی مصلحتوں کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے پر آمادہ کرتا ہے خلیفہ ہی دین کا تحفظ کرتا ہے اوراس کی روشنی میں دنیاوی امور چلاتا ہے(مقدمہ ابن خلدون:۲۶)۔

خلیفہ کا معنی ہے جو کسی کا جانشین بنے اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ قرار دیا(بقرہ:۳۰)۔ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ:۳۰) کا مطلب ہے کہ میں دنیا میں اپنا نائب مقرر کررہا ہوں جو عدل اور حکم کرنے میں میرا خلیفہ ہوگا۔خلیفہ آدم تھا اور جو بھی اس کا نائب ہو اللہ کی اطاعت کرنے مخلوق میں عدل کے فیصلے کرنے میں اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے امیر کا جانشین ہوتا ہے۔(ابن کثیر:۱/۱۰۸)

فقہاء کے نزدیک خلیفہ کا،امیر،امام اعظم اور امیر المومنین کہا جاتا ہے۔اسلام میں حکمران کو متعدد ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ پوری زندگی خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے رہے۔پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہنے پر اتفاق کیا امیر المومنین کو ہی امام اعظم اور خلیفة المسلمین کہا جاتا ہے(غیاث الامم:۱۵) ۔لغت میں خلیفہ کا معنی ہے جو کسی معاملے میں جانشین بنے یا کسی کو بنائے۔جبکہ اہل علم کی اصطلاح میں حکومت اسلامیہ کے سربراہ کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ امت میں اسلامی احکام کو نافذ کرنے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوتا ہے۔خلافت کی تعریف کرتے ہوئے جوینی فرماتے ہیں خلافت اس مکمل قیادت کو کہتے ہیں جس کا تعلق عوام وخواص کے دینی ودنیاوی امور سے ہو عوام کے مال وجان کا تحفظ ہو دعوة کو دلیل وتلوار دونوں کے ذریعے سے جاری رکھے ظلم وزیادتی کو روکے مظلوموں کے لیے انصاف فراہم کیا جاتا ہو لوگوں کو ان کے حقوق دلائے جاتے ہوں(غیاث الامم للجوینی:۱۵)۔ماروردی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: امامت نبوت کے خلافت کے لیے مقرر کی گئی ہے تا کہ دین و دنیا کے تحفظ اور دینی امور کو چلانے کے لیے ہو(احکام السلطانیة:۵)۔ابن الارزق رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلافت وامامت سے مراد شارع کی نیابت دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کا انتظام(بدائع السلك فی طبائع الملك ۱/۹۰)

خلیفہ کا تقرر واجب ہے

اہل سنت اور دیگر فرقوں کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایک عادل مسلمان خلیفہ کا تقرر واجب ہے تا کہ لوگوں پر حکومت کرے۔اللہ کے احکام نافذ کرے امت کی مصلحتوں کا خیال رکھے اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔اس بات سے اختلاف صرف کچھ خوارج اور ابوبکر اصم نے کیا ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً.(بقرہ:۳۰)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت بنیاد ہے امام وخلیفہ کے تقرر کے لیے کہ اس کی بات سنی جائے اس کا کہا مانا جائے تا کہ لوگ متحدر ہیں اور خلیفہ کے احکام جاری ہوسکیں۔اس بارے میں امت اور ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے ابوبکر اصم کے جو شریعت سے لابلد ہے اور اس جیسے دیگر اس کے متبعین وہم مسلک وہم رائے لوگوں کے جن کا کہنا ہے کہ واجب اور ضروری ہے مگر جب امت حج کرتے ہوں، جہاد کرتے ہوں آپس میں انصاف کرتے ہوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوں مال غنیمت،صدقات اور مال فئی تقسیم کرتے ہوں حدود قائم کرتے ہوں تو ان پر امام وخلیفہ مقرر کرنا واجب نہیں ہے جبکہ ہماری دلیل یہ آیت ہے:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً.(بقرہ:۳۰)

اور یہ آیت:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ.(ص:٢٦)

اے داوٗد ہم تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔

اور آیت:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُم فِی الْاَرْضِ.(نور:٥٥)

اللہ نے ایمان اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب اختلاف ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا تھا اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: یہ قوم عرب قریش ہی کے تابع رہے گی تو لوگوں نے یہ بات تسلیم کر لی اگر خلافت کا قیام وتقرر لازم نہ ہوتا تو یہ بحث ومباحثہ نہ ہوتا بلکہ سب کہہ دیتے کہ خلیفہ کا تقرر واجب نہیں ہے پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ امانت سونپ دی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ واجب نہیں ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے اور یہ دین کا ایسا رکن ہے کہ جس کے سہارے مسلمان متحد رہتے ہیں۔(تفسیر قرطبی: ١/٢٨٢)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اہل سنت، مرجئہ، شیعہ اور خوارج امامت کے وجوب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی کہ امت پر اس امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو ان میں سے اللہ کے احکام قائم رکھتا ہو شریعت کے مطابق ان کی حکومت کو چلاتا ہو سوائے چند خوارج کے وہ کہتے ہیں کہ امت کے لیے خلیفہ واجب نہیں ہے بلکہ ان پر یہ فرض اور واجب ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق

ادا کرتے رہیں اب اس فرقے میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔اس فرقے کا قول متروک و باطل ہےاس کے باطل ہونے کے لیے مذکورہ دیگر فرقوں کا اجماع کافی ہے جبکہ قرآن وسنت سے امام کا تقرر واجب ہونا ثابت ہے اللہ کا فرمان ہے: اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرواور اولی الامر کی۔جبکہ بڑی تعداد میں احادیث ہیں جن میں امام کی اطاعت اوراس کے تقرر کے وجوب کا ذکر ہے۔اللہ کا فرمان ہے: اللہ انسانوں پران کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا ہے۔تو یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ لوگوں کو اس بات کا پابند نہیں کرے گا جو ان کی سرشت اور ان کی استطاعت میں نہ ہو۔ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ نے لوگوں کے لیے مال، جان، نکاح طلاق وغیرہ کے جو احکام نازل کیے ہیں اور ظالم کو ظلم سے روکنے، انصاف کرنے قصاص لینے کے احکامات پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ لوگوں کی مصروفیات اور آراء کا اختلاف اس کی راہ میں رکاوٹ ہے اور ہر شخص یا گروہ چاہتا ہے کہ اس پر کوئی بھی حکومت نہ کرے یہ باتیں ہم روز دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں انہی وجوہات کی وجہ سے ان علاقوں میں کہ جہاں کوئی بڑا سردار وسربراہ نہیں ہوتا وہاں نہ کسی کو حقوق ملتے ہیں نہ دین باقی رہتا ہے۔(الفصل فی الملل والاهواء والنمل لابن حزم: ٤/٨٧)

ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امامت کا انعقاد واجب ہے اس پر اجماع ہے صرف اصم نے اختلاف کیا ہے۔(احکام السلطانیة:٥،شرح مسلم نووی: ١٢/٤٤٧)

ابویعلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام کا تقرر واجب ہے احمد بن حنبل کہتے ہیں: فتنہ اس وقت ہوتا ہے جب لوگوں کا امام نہیں ہوتا جو لوگوں کے معاملات صحیح طریقے سے چلائے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنوسقیفہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا مگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ عرب قریش کے ہی تابع ہوتے ہیں اس بارے

میں روایات ہیں اگر امامت واجب نہ ہوتی تو یہ بحث ومباحثہ نہ ہوتا بلکہ کہہ دیتے کہ امامت قریش یا دیگر میں واجب نہیں ہے۔(احکام السلطانیة:۳، فتح الباری ۱۳/۲۰۸)

محمد بن علی القلعی کہتے ہیں: پوری امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام کا تقرر واجب ہے اگرچہ خلیفہ کی شرائط واوصاف میں اختلاف ہے۔(تهذيب الرياسة و ترتيب السياسة:۷٤)

ابن خلدون رحمہ اللہ مقدمہ میں لکھتے ہیں: امام کا تقرر شریعت میں واجب ہے اس کا ثبوت اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے ملتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور اپنے معاملات ان کے سپرد کر دیئے اسی طرح ان کے بعد بھی ہر دور میں ایسا ہوتا رہتا ہے کسی دور میں بھی لوگ بغیر امام وخلیفہ کے نہیں رہے۔ لہٰذا یہ امام کے تقرر پر اجماع ہے۔(مقدمه ابن خلدون:۱۷۱)

امام کی اہمیت تو ظاہر اور واضح ہے کہ امام کے نہ ہونے سے منبر ومحراب ویران ہو جاتے ہیں ،اسلام کے بہت سے امور ضائع ہو جاتے ہیں۔ یتیموں کا پرسان حال نہیں ہوتا اگر یہ امام نہ ہوتے تو بیت اللہ کا حج نہ ہوتا، قاضی اور والیان حکومت نہ ہوتے تو یتیموں کے نکاح نہ ہوتے اگر حکمران نہ ہوتے تو لوگوں کے معاملات افراتفری کا شکار ہو جائیں لوگ ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی شروع کر دیں کسی نے کہا ہے کہ لوگوں کو بغیر سربراہ کے نہیں ہونا چاہیے اور اگر سربراہ حکومت کسی جاہل کو بنا دیا گیا تو گویا یہ لوگ بغیر سربراہ کے ہی ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ کی پہچان جتنی قرآن سے ہوتی ہے اتنی ہی حکمران (صحیح مسلمان حکمران) سے ہوتی ہے یہ بھی کسی نے کہا ہے کہ دین بنیاد ہے اور سلطان اس کا نگہبان، اگر بنیاد نہ ہو تو عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور اگر نگہبان نہ ہو تو عمارت ضائع ہو جاتی ہے۔

امام کی شرائط

جب دین میں خلافت کی اتنی اہمیت ہے تو شریعت نے خلیفہ وامام کے لیے ایسی شرائط بھی رکھیں ہیں جن کی موجودگی ہر اس آدمی میں ضروری اور واجب ہے جو خود کو اس منصب جلیلہ کے لیے پیش کرتا ہے ان شرائط میں سے کچھ تو ایسی ہیں جن پر علماء کا اجماع و اتفاق ہے اور کچھ میں اختلاف ہے ہم یہاں اختصار کے ساتھ یہ شرائط پیش کر رہے ہیں ہم اس پر مکمل تفصیل بتانا نہیں چاہتے صرف اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

① قریشی الاصل ہونا چاہیے اس لیے کہ حدیث ہے (الائمة من قریش)①

② اس قابل ہو کہ قاضی بن سکے، مجتہد ہو، معاملات کے فیصلے کرنے اور فتوی دینے میں کسی

---

①: انہی الفاظ سے یہ حدیث احمد، نسائی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، طبرانی فی الکبیر، حاکم، سعید بن منصور، ابوداؤد الطیالسی میں علی رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جبکہ بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا کبه الله فی النار علی وجهه ما اقاموا فیکم الدین۔ یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جو ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا جب تک یہ (قریش) تم میں دین قائم رکھیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امر خلافت قریش میں رہے گا یہاں تک کہ دو آدمی بھی باقی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائمہ قریش میں سے ہوں گے ان کے نیک حکمران ہوں گے نیک لوگوں کے اور ان کے بد حکمران ہوں گے برے لوگوں پر اگر تم پر قریشی غلام ہاتھ پاؤں کٹا ہوا امیر بنا دیا جائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (حاکم، بیہقی علی رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ) طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے عبداللہ بن السائب اور بزار نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے قریش کو آگے بڑھاؤ ان سے آگے نہ بڑھو۔ فرمایا ہے: خلافت قریش میں اور حکومت انصار میں ہوگی۔ (طبرانی۔ ابن ابی عاصم، ابن عسا کر نے عتبہ بن عبد سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ احمد، ابوداؤد، ابویعلیٰ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے فرمایا: اے قریش کے گروہ تم لوگ اس کام (خلافت) کے اہل ہو جب تک تم اختلاف نہ کرو یا مباحثہ نہ کرو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات پر سقیف میں اجماع کیا جب انہوں نے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہوگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر راضی ہو گئے اور کہا کہ تم خلفاء اور ہم وزیر ہوں گے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث اس بات پر صریح دلالت کرتی ہیں کہ خلافت قریش کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے جائز نہیں اس پر ⇐

کا محتاج نہ ہو اس پر اتفاق ہو چکا ہے ①

③ معلومات رکھتا ہو اور عمدہ رائے رکھنے والا ہو تا کہ عوام کے دنیاوی مصلحتوں اور ملکی سیاست کو بہتر طریقے سے سرانجام دے سکے، جنگی فنون سے بھی واقفیت رکھتا ہو، فوجی قواعد وضوابط اور امور سے بھی باخبر ہو تا کہ سرحدوں کا تحفظ ہو، امت کا دفاع ہو ظالم سے مظلوم کا حق ولوایا جاسکے۔ کہا جاتا ہے کہ دلیر کی دلیری سے پختگی رائے ضروری ہے یہ پہلے ہے اور شجاعت دوسرے درجے پر۔ اگر یہ دونوں صفات کسی شخص میں بیک وقت جمع ہو جائیں تو وہ بلندی تک پہنچ جاتا ہے کبھی کبھی آدمی اپنے ہمعصروں کو بہتر رائے کے ذریعے بھی زیر کر لیتا ہے اور کثرت افراد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

④ ایسا نہ ہو کہ حدود قائم کرتے ہوئے اس کا دل ترس نہ کھاتا ہو نہ ہی گردنیں مارنے سے گھبراتا ہو نہ ہی ہاتھ کاٹنے سے لرزتا ہو ان تمام صفات پر صحابہ کا اجماع ہے۔

⇐ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے علماء کا اجماع ہے اس سے اختلاف صرف اہل بدعت نے کیا ہے اور ان کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ١٢/ ٤٤١-٤٤٢ كتاب الامارة ـ غياث الامم لجوينی: ٦٢-٦٣، الاحكام السلطانية للماوردی: ٦، فتح الباری: ١٣/ ١١٣-١٢١، مقدمة ابن خلدون: ١٧٣).

①: اجتہاد کی جو شرط ہے اس میں اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک یہ شرط ہے وہ گروہ کہتا ہے کہ امام کے لیے اصول وفروع دین میں مجتہد ہونا چاہیے تا کہ وہ فتوی دینے اور استنباط کرنے کا اہل ہو یہ مذہب ماوردی، ابویعلیٰ، الجوینی، الغزالی، اور بیضاوی کا ہے ابن خلدون کے مقدمہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جبکہ شہرستانی کہتے ہیں: اہل سنت کا ایک گروہ امام کے لیے اجتہاد کی شرط نہیں لگاتا خاص کر متاخر دور میں انہوں نے غیر مجتہد کا امیر ہونا جائز قرار دیا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے ساتھ مجتہدین کا ایک گروہ موجود ہو تا کہ احکام اور فتوی میں ان سے رجوع کر سکے مزید تفصیلات کے لیے غياث الامم للجوینی، اصول الدين للبغدادی، احكام السلطانيه للماوردی اور مقدمه ابن خلدون ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

⑤ آزاد ہواس صفت پر کسی کا اختلاف نہیں ہے ①۔

⑥ مسلمان ہونا یہ چھٹی شرط ہے ②

⑦ مرد ہونا اس پر بھی اجماع ہے کہ عورت امیر نہیں ہوسکتی ③

⑧ اعضاء صحیح سلامت ہوں یہ آٹھویں شرط ہے۔

⑨ بالغ ہو ④

⑩ عاقل ہو۔اس میں بھی اختلاف نہیں ⑤

⑪ عادل ہوامت کا اجماع ہے کہ کسی فاسق کو امیر نہیں بنایا جاسکتا ⑥

حکمرانوں کی اقسام ہیں کچھ تو مسلمان ہیں، عادل ہیں، کچھ فاسق وظالم ہیں کچھ کافر ہیں ہم یہاں صرف پہلی قسم کے حکمران سے متعلق بات کرتے ہیں کہ اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں اس کے کیا حقوق ہیں:

---

①: ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: تیسری شرط ہے آزاد ہونا اس لیے کہ غلامی ایسا نقص ہے جو خلیفہ وامیر بننے میں رکاوٹ اور مانع ہے جب غلام کی گواہی قبول نہیں ہے تو اسے حکمرانی کیسے دی جاسکتی ہے۔(احکام السلطانیة: ٦٥)

②: اسلام بنیادی شرط ہے سب سے بڑی امارت ہے اللہ کا فرمان ہے: وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا(نساء: ١٤١) اللہ نے کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنایا۔

③: امت کا اجماع ہے کہ امارت صرف مرد کے لیے ہے کسی عورت کو ملک کا سربراہ یا حکومت کا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے امور(مملکت)عورت کے حوالے کردیئے۔(بخاری۔احمد۔ترمذی۔نسائی۔ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتیں ناقص العقل وناقص دین ہوتی ہیں)

④: بچہ مکلّف نہیں ہوتا لہٰذا اسے قاضی نہیں بنایا جاسکتا وہ اپنے نفس کا اختیار نہیں رکھتا تو دوسروں کے اختیارات کیسے اپنا سکتا ہے بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان مروی ہے: میری امت قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھوں ہلاک ہوگی۔ابن ابی شیبہ نے اسے مرفوع روایت کیا ہے جس میں ہے بچوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں۔)................................ ⇦

مسلم عادل حکمران

○ شریعت مطہرہ نے بتادیا ہے کہ عادل مسلم امیر کی اللہ کے ہاں بہت قدر و منزلت ہے اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا امیر قیامت کے دن اللہ کے (دیئے ہوئے) سائے میں ہوگا جس دن کے کسی کو سایہ نہیں ملے گا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: سات قسم کے افراد قیامت کے دن سائے میں ہوں گے جس دن کہ صرف اللہ کے فراہم کردہ سائے کے علاوہ کہیں سایہ نہیں ہوگا۔(بخاری۔مسلم۔احمد۔نسائی)

○ امام عادل قیامت کے دن رحمان کے دائیں جانب نور کے منبر پر ہوگا اللہ کے دونوں طرف دائیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: انصاف کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے دائیں طرف ہوں گے اللہ کے دونوں طرف دائیں ہیں وہ لوگ کہ اپنی حکومت اور گھر میں عدل وانصاف کرتے تھے(مسلم ۔نسائی۔احمد) ۔رسول ﷺ کا فرمان ہے : قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سخت عذاب کا مستحق ظالم امام وحکمران

---

⑤: کسی پاگل کو حکومت دینا جائز نہیں ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں عقل دوسری شرط ہے اس پر اجماع ہے صرف اتنی عقل کافی نہیں جو (شرعی احکام) کا مکلّف بناتی ہے بلکہ بہترین ذہانت اور بھول چوک سے کافی حد تک محفوظ ہو۔(احکام السلطانیة:٦٥)

⑥: عدالت کا معنی ہے مکلّف کے حالات معتدل ہوں کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسے معیوب بنائیں۔ متقی اور صالح ہونا بھی اس میں شامل ہے اس لیے کہ حکمرانی بہت بڑی امانت ہے جو کسی فاسق کے حوالے نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ دیانتدار نہیں ہوتا اور اس کی روایت مقبول نہیں ہے۔ ماروردی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہر عہدے کے لیے عدالت معتبر ہے عدالت کا معنی ہے کہ سچا ہو، دیانتدار ہو، محرمات سے اجتناب کرنے والا ہو، گناہوں سے بچتا ہو شکوک سے پاک ہو خوشی اور غصے میں خود پر قابو رکھتا ہو دنیا اور دین دونوں میں اعتدال رکھتا ہو۔(احکام السلطانیة:٦٦،تفسیر قرطبی:١/٢٨٥-٢٨٦،ابن کثیر:١/١١٠،الاحکام السلطانیة:٦،احکام السلطانیة لابی یعلیٰ :٢٠،غیاث الامم للجوینی تحقیق عبدالعظیم الدیب:٨٦،حاشیه ابن عابدین:١/٥٤٨)

ہوگا(احمد۔بھیقی۔ترمذی کہاحسن غریب) ۔میرے خیال میں حدیث حسن کہلائی جاسکتی ہے اس سند میں فضیل بن مرزوق الوقاصی ہے جسے ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ابن معین وغیرہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اس روایت کے دیگر راوی بھی ہیں عطیہ العوفی کو ابن قطان اور ذہبی نے ضعیف کیا ہے۔ابن القطان نے کہا ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے حسن ہے۔طبرانی نے اسے عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے افضل مرتبے والا امام عادل رفیق ہوگا اور سب سے بدترین آدمی امامِ ظالم ہوگا۔اس سند میں ابن لہیعہ منفرد ہے اس حدیث کی طبرانی اور ابویعلیٰ میں ابوسعید سے مرفوع روایت بھی ہے جس کے الفاظ ہیں کہ قیامت میں سب سے سخت عذاب ظالم حکمران کو ہوگا۔

○ اگر امام تقوی کے مطابق حکومت کرتا ہے اور عدل قائم رکھتا ہے تو اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: امام ڈھال ہے جس کی آڑ میں قتال کیا جاتا ہے اور دفاع ہوتا ہے اگر وہ تقوی اور عدل سے حکومت کرتا ہے تو اس کے لیے اجر ہے اور اگر اس کے مطابق حکومت نہیں کرتا تو اس کے لیے عذاب ہے۔(بخاری۔مسلم۔ابوداؤد۔نسائی)

○ امام عادل کی کوئی دعا ردّ نہیں ہوتی اس لیے کہ اللہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت اور عزت ہوتی ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کے افراد ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی:

۱۔ امام عادل

۲۔ روزہ دار جب تک روزہ افطار نہ کرے

۳۔ مظلوم کی دعا بادلوں کے اوپر چلی جائے گی قیامت کے دن اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جائیں گے اللہ فرمائے گا مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا

اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو (ترمذی اوراس حدیث کو حسن کہا)۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کی دعا ردّ نہیں ہوتی اللہ کا بہت ذکر کرنے والا۔مظلوم اور امام عادل۔(بھیقی شعب الایمان بسند حسن)

مسلم حکمرانوں کی ذمہ داریاں

ایسے حکمران وامام پر کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے اس کے حقوق ہوتے ہیں جو اس کو دینے ہوتے ہیں یہ ذمہ داریاں قرآن کی متعدد آیات اور احادیث نبوی ﷺ میں مذکور ہیں ہم اختصار کے ساتھ یہ ذمہ داریاں تحریر کر رہے ہیں۔

ا۔پہلی ذمہ داری: حق اور عدل کا قیام، لوگوں کے تنازعات نمٹانا، اللہ کی شریعت کو نافذ کرنا اور شرعی احکام کے مطابق حدود کا نفاذ۔اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَالا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ(نساء:۵۸)

اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ امانتیں اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

یہ ہے اللہ کا حکم حکمرانوں کے لیے کہ اپنی حکومت میں وہ عدل نافذ کریں جو اس اللہ نے نازل کیا ہے۔حدیث میں آتا ہے اللہ حاکم یا قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے جب ظلم کر لیتا ہے تو اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔(ترمذی۔حاکم اور حسن کہا۔ابن ماجہ۔ابن حبان۔بیہقی میں لفظ ہیں قاضی کے۔بیہقی ہی میں الفاظ جب قاضی یا حکمران ظلم کر لیتا ہے تو اللہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ابن ماجہ میں ہے۔جب ظلم کرتا ہے اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔حاکم میں ہے اللہ اس سے بری

ہو جاتا ہے۔ترمذی نے کہا حسن غریب ہے صرف عمران القطان کے ذریعے سے ہم اسے جانتے ہیں۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس راوی میں اختلاف ہے مگر یہ متروک نہیں ہے بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استشہاد کیا ہے۔ابن حبان اور حاکم نے بھی اس کی حدیث روایت کی ہے(تلخیص الحبیر لابن حجر عسقلانی:٤/١٨١)۔کسی کا قول ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے(ابن کثیر:١/٧٨٢)۔اللہ کا فرمان ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ. (مائدہ:٤٨)

ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی ان پر نگران ہے ان کے درمیان فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک دیہاتی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں اس کے مقابل فریق نے کہا کہ یہ صحیح کہہ رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ کریں۔دیہاتی نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے گھر میں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کر لی اب لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارا بیٹا سنگسار ہوگا میں نے بیٹے کا فدیہ سو بکریاں اور ایک لونڈی دی ہیں پھر میں نے علماء سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور اسے جلاوطن کیا جائے گا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے درمیان فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔لونڈی اور بکریاں تمہیں واپس مل جائیں گی تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور اسے جلاوطن کیا جائے گا ۔انیس (ایک آدمی تھا) تم صبح جا کر اس شخص کی بیوی سے تفتیش کرو اگر وہ اقرار کرتی ہے تو اسے

رجم کردوانیس صبح گئے،عورت نے اعتراف کرلیا اسے سنگسار کرلیا۔(بخاری ۔مسلم)

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ مجھے کیوں کسی سرکاری کام پر نہیں لگاتے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر تم ایک کمزور آدمی ہواور یہ عہدے قیامت میں حسرت وندامت کا سبب ہوں گے سوائے اس کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں اس ڈالی گئی تھیں وہ اس نے ادا کردیں(مسلم ۔بھیقی ۔ترغیب و ترھیب) ۔یہ حدیث عام نہیں بلکہ اس کے بارے میں ہے جو عہدے میں اللہ کا حق قائم نہیں کرتا عدل نہیں کرتا۔اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث عہدوں سے گریز کرنے میں بنیادی حدیث ہے خاص کراس کے لیے جو اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا شرمندگی وندامت اس کے لیے ہوگی جو اس کا مستحق ہوگا عدل نہیں کرے گا جو عہدے کے اہل ہوگا عدل کرے گا تو اس کے لیے اجر ہے جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے لیکن عہدہ قبول کرنے میں خطرات ہیں اسی لیے اکابر عہدوں سے گریز کرتے تھے امام شافعی رحمہ اللہ نے مامون کے کہنے کے باوجود قاضی کا عہدہ نہیں لیا۔۔امام ابوحنیفہ نے منصور کی حکومت میں یہ عہدہ قبول نہیں کیا اس طرح کے اور بھی بہت سے اکابر ہیں ۔(شرح مسلم:۱۲/۲۱۱)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے :عہدے کا آغاز ملامت ، دوسری ندامت اور تیسرا عذابِ قیامت الا یہ کہ عدل کیا جائے ۔(طبرانی۔بزار سند صحیح ہے)

طبرانی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے بہترین چیز عہدہ ہے جس نے حق کے ساتھ لیا اور بدترین چیز عہدہ ہے جس نے بغیر حق کے لیا اس کے لیے قیامت میں حسرت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس شخص کو بندوں پر حکمران مقرر فرمادے چاہے لوگ کم ہوں یا زیادہ قیامت میں اللہ ان کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان میں اللہ کے احکام نافذ کیے یا نہیں ؟ یہاں تک کہ گھر والوں کے بارے میں بھی (یہی) سوال کیا جائے

گا۔(احمد)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہراس آدمی سے جسے کسی کا نگہبان وحکمران مقرر کیا ہے یہ سوال کرے گا کہ اپنے ماتحتوں کا تحفظ کیا یا نہیں؟ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر کے بارے میں سوال ہوگا۔(نسائی ۔ابن حبان)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دس آدمیوں پر بھی اگر کوئی امیر ہوتو اسے قیامت کے دن ہتھکڑیاں لگا کر لایا جائے گا اس کا انصاف یا تو اسے بچالے گا یا اس کا ظلم اسے ہلاک کردے گا۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو بھی آدمی دس یا ان سے زیادہ آدمیوں کا امیر بنتا ہے قیامت کے دن اسے اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن میں باندھا گیا ہوگا یا اس کی نیکی اسے چھڑالے گی یا اس کا گناہ اس کو باندھ دے گا۔(احمد۔بھیقی۔ابویعلی۔طبرانی میں مختلف الفاظ سے یہ روایت صحیح سند سے مروی ہے)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ظالم حکمران کو ہوگا۔(طبرانی فی الاوسط۔ابونعیم فی الحلیة ،ابویعلی فی مسندہ)

امام ماوردی نے مسلم حکمران کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے ایک ہے دین کا تحفظ اس کے مستقل اصولوں اور سلف کے اجماع کے مطابق کرنا۔اگر کوئی بدعتی یا شبہ میں مبتلا شخص اس سے روگردانی کرتا ہے تو اس کے سامنے دلائل واضح کرتا ہے اس کے حقوق وحدود کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے تاکہ دین ہر قسم کے خلل سے اور امت سے گمراہی سے محفوظ رہے ۔امیر کا کام یہ بھی ہے کہ اختلاف کرنے والوں میں احکام نافذ کرے اور تنازعات کے فیصلے نمٹائے ،تاکہ انصاف کا بول بالا ہو ظلم نہ ہو اور مظلوم کمزور نہ سمجھا جائے۔حدود نافذ کرے تاکہ اللہ کے محارم کی حفاظت ہو اور بندوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

(احکام السلطانیة للماوردی:۱۵-۱۶)

ابن المبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ حکمران کے ذریعے ظلم ختم کرتا ہے یہ ہمارے دین و دنیا کے لیے رحمت ہے اگر خلافت نہ ہوتی تو راستے محفوظ نہ ہوتے اور طاقتور کمزوروں کو لوٹ لیتے۔

۲۔ دوسری ذمہ داری: عوام اور حکمران کے درمیان رکاوٹیں اور پردے حائل نہ ہوں بلکہ حکمران کے دروازے ہر وقت عوام کے لیے کھلے رہیں۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو بھی امام، حکمران ضرورت مندوں اور غریبوں کے لیے بند رکھتا ہے اللہ اس کے لیے آسمانوں کے دروازے بند کر دیتا ہے معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات اور حاجات کے لیے آدمی مقرر کر دیا۔(احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔ابویعلیٰ۔حاکم)

ابومریم ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس کو مسلمانوں کے امور کا نگہبان بنا دے اور وہ ان کی ضروریات و شکایات سننے کے بجائے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کر دے اللہ اس کے لیے رکاوٹیں پیدا کر دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے اللہ جس کو مسلمانوں کا حاکم بنائے پھر وہ مظلوموں اور مساکین کے لیے دروازے بند کر دے اللہ اس کے لیے اپنی رحمت کا دروازہ بند کر دیتا ہے حالانکہ یہ اللہ کی رحمت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔(ابوداؤد۔حاکم۔بھیقی۔بسند صحیح)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی دربان نہیں ہوتا تھا جیسا کہ موجودہ دور کے حکمرانوں کے درباروں میں ہوتے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو صبر کرو۔ اس نے کہا آپ پر وہ مصیبت نہیں آئی جو مجھ پر آئی ہے اس لیے کہہ رہے ہیں اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تھا کسی نے اس سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ آپ کے دروازے پر آئی تو وہاں کوئی دربان و چوکیدار نہیں پایا اس نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

:صبر وہ ہے جو صدمہ پہنچتے ہی کیا جائے۔(بخاری۔مسلم۔احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ۔ابویعلیٰ۔بھیقی)

نبی ﷺ بحیثیت امام المسلمین عوام کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :رسول ﷺ مریضوں کی عیادت کرتے تھے جنازے میں جاتے عام لوگوں کی دعوت قبول کرتے تھے۔(ابن ماجہ۔حاکم۔ابویعلیٰ۔ابن ابی شیبہ۔طبرانی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ راستے میں تھے کہ ایک عورت نے آ کر کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام فلاں کسی بھی گلی کے ایک طرف بیٹھ جا میں بات کر لیتا ہوں۔اس نے ایسا ہی کیا آپ ﷺ نے اس سے بات کی اور جو اس کی ضرورت تھی وہ پوری کر لی۔(احمد ۔ابوداؤد)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نماز کے لیے تکبیر ہو جاتی ۔آپ ﷺ کسی آدمی کے ساتھ اس کی کسی ضرورت کے لیے بات کرتے بعض دفعہ بات اتنی طویل ہو جاتی کہ بعض لوگ اکتا جاتے۔(بخاری۔احمد۔عبدالرزاق)

۳۔تیسری ذمہ داری: عوام کے فائدے کے امور سرانجام دینا ان پر نرمی وشفقت کرنا ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا جو جس قسم کے فیصلے کا مستحق ہے عدل کے ساتھ وہ فیصلہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام سے متعلق ذکر کیا ہے:

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ(النمل:۲۰)

انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا ہو گیا مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا وہ غائب ہے؟

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر کو اپنے عوام کی حالت سے باخبر رہنا چاہیے جب سلیمان علیہ السلام کی نظروں سے ہدہد کا مسئلہ اوجھل نہیں تھا تو بڑے معاملات کیسے اوجھل ہو سکتے

تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر ایک فرات کے کنارے کوئی بھیڑ یا کسی ہرن کے بچے کو پکڑ لے تو عمر سے اس کا سوال ہوگا۔ ایسے حکمرانوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے ہاتھوں ملک کے ملک برباد ہوگئے مگر ان سے کوئی پوچھنے والا کوئی نہیں ۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تفسیر القرطبی: ۱۳/ ۱۸۸)

یہ بات اس حدیث میں بھی مذکور ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے لیے جوابدہ ہے۔ امام اپنے عوام کے لیے، آدمی اپنے گھر کے لیے، نوکر مالک کے مال کے لیے جوابدہ ہے میرا خیال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جوابدہ ہے ۔(بخاری۔مسلم)

سیار بن سلامہ ابی المنہال کہتے ہیں: میں اپنے باپ کے ساتھ ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا اس وقت میرے کانوں میں بالیاں تھیں اس وقت میں لڑکا تھا انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امراء قریش میں سے ہوں گے تین مرتبہ یہ کہا اور کہا کہ جب تک وہ تین کام کریں جب فیصلہ کریں تو عدل کریں، جب ان رحم کی اپیل کی جائے تو یہ رحم کریں۔ معاہدہ کریں تو پورا کریں جس نے ان میں سے ایسا نہ کیا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (احمد۔ابو یعلیٰ ۔طبرانی ۔بزار البتہ اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حکمرانی قریش میں رہے گی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا قریش پر اور قریش کا تم لوگوں پر حق ہے کہ جب تک حکومت کریں عدل کریں، جب امانت ان کے حوالے کی جائے دیانت سے کام لیں اور جب رحم کی اپیل کی جائے تو یہ رحم کریں۔ (احمد۔طبرانی رجالہ ثقات)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے میں نے ارادہ کیا کہ میں ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں اور ایندھن جمع ہو جائے پھر میں نماز کا حکم کروں ایک آدمی کو امامت کے لیے کھڑا کردوں اور پھر کچھ لوگوں کے پاس جا کر ان کے گھر جلادوں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ دوبوٹیاں یا پائے ملیں گے تو یہ لوگ عشاء میں ضرور آئیں گے۔(بخاری۔مالك۔نسائي ۔احمد۔ابن حبان۔بهیقی)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے۔اے اللہ جو شخص میری امت میں سے کسی معاملے کا نگہبان بنے اور وہ امت پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر اور جو حکمران نرمی کرے اللہ تو بھی اس نرمی کر۔(مسلم۔احمد)

عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدترین حکمران وہ ہے جو ظالم اور سختی کرنے والا ہو۔(بخاری۔مالك)

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام ہنی کو ایک جگہ کا عامل بنایا اسے تاکید کردی کہ لوگوں پر ظلم کرنے سے اپنا ہاتھ روکے رکھو، مظلوم کی بددعا سے ڈرو، مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے۔بھیڑ بکریوں کو آنے دو۔مجھے ابن عوف اور عثمان کے چوپایوں سے بچاؤ اگر ان کے مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ مدینہ کھیتی اور کھجوروں کی طرف آجائیں گےاور کہیں گے امیر المومنین کیا ہم انہیں چھوڑ دیں؟ گھاس اور پانی میری نزدیک سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں یہ لوگ دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا پانی اور شہر ہےاور میں نے زبردستی لیا ہے اس پر یہ جاہلیت میں جنگیں کرتے رہے ہیں اور اسلام آنے کے بعد اسی پر صلح کر چکے ہیں اللہ کی قسم اگر وہ مال نہ ہوتا جو اللہ کی راہ میں (ان پر) خرچ کرتا ہوں میں ان کے شہروں کے ایک بالشت برابر حصے کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا تھا۔(بخاری۔مالك)

حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبیداللہ بن زیاد معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ اس وقت تکلیف و بیماری میں مبتلا تھے انہوں نے کہا میں تمہیں ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو میں نے پہلے تمہیں نہیں سنائی۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی کو لوگوں پر حکمران بنا دیتا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کررہا ہو تو مرنے کے بعد اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔(بخاری۔مسلم۔ابن حبان)

ایک روایت میں حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں: معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے ان کے پاس عبیداللہ بن زیاد آئے تھے انہوں نے کہا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث تمہیں سنا رہا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: جو بھی شخص مسلمانوں کا حکمران بنتا ہے ان کے لیے کوشش نہیں کرتا، خیر خواہی نہیں کرتا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ وہ خوشبو سو سال کی مسافت تک آتی ہے۔(احمد۔طبرانی۔ابن ابی شیبہ۔ابن عبدالبر۔ابو نعیم)

ایک روایت میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مسلمانوں کا امیر بنتا ہے اور امت کے لیے خیر خواہی اور کوشش نہیں کرتا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(مسلم۔ابو عوانہ۔بھیقی)

ایک روایت میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس حکمران نے اپنے عوام کے ساتھ فریب کیا وہ جہنم میں جائے گا۔(طبرانی۔ابو عوانہ۔ابن عساکر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دجال کا ذکر کرتے ہوئے) میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں ایسی بات کرتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کی اور وہ یہ کہ وہ بھینگا ہے جب کہ رب بھینگا نہیں ہے۔(بخاری۔مسلم و دیگر بہت سی کتب......)

۵۔پانچویں ذمہ داری: لوگوں کے حقوق عدل کے ساتھ پورے کرنا خاص کر یتیموں اور بیواؤں، مساکین و فقراء کے اور ان کے حالات کا خیال رکھنا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مرنے والے آدمی کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے تھے کہ اس پر جتنا قرضہ ہے اس کے برابر (یا زائد) اس نے مال چھوڑا ہے ؟اگر جواب ہاں میں ہوتا تو جنازہ پڑھا لیتے ورنہ مسلمانوں سے کہتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو جب اللہ نے فتوحات نصیب فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مسلمانوں کی جانوں کا ان سے زیادہ ذمہ دار ہوں اب جو مسلمان مرے گا اور اس پر قرضہ ہوگا تو وہ میں ادا کروں گا اور جو مرے گا اس کا مال اس کے ورثاء کا ہے۔(بخاری۔احمد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جس نے قرضہ چھوڑا وہ ہم پر ہے۔(بخاری۔مسلم۔ابو داؤد)

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تمہیں نہیں دے سکتا جبکہ اہل الصفہ کے پیٹ (بھوک سے)دوہرے ہورہے ہیں اور ایک مرتبہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں اس حال میں تمہیں کیسے دے دوں کہ کہ اہل الصفہ کے پیٹ دوہرے ہورہے ہیں۔(احمد۔بھیقی۔ابو نعیم)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس لوگوں کے ساتھ آرہے تھے لوگ آپ کے ساتھ چمٹ گئے یعنی آپ سے مال مانگنے لگے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کیکر کی جھاڑیوں کی طرف دھکیل لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کانٹوں میں الجھ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری چادر مجھے دیدو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس ان کانٹوں کے برابر مال ہوتا تو وہ بھی میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا تم مجھے پھر بھی کنجوس، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔(بخاری۔مسلم۔نسائی۔ابن حبان۔مالك۔ابو یعلیٰ۔طبرانی۔بزار)

احمد نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ منبر پر تھے اور موذن تکبیر کہہ رہا تھا

جبکہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں سے ان کی ضروریات پوچھ رہے تھے۔

۶۔چھٹی ذمہ داری: مسلمانوں کے مال کا تحفظ ان کی مصلحتوں کا خیال رکھنا عمالِ حکومت کا محاسبہ کرنا۔

ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ازد قبیلے کے ایک آدمی ابن الاتبیہ کو عامل بنایا زکاۃ جمع کرنے کے لیے جب وہ (زکاۃ جمع کرکے لایا) تو کہنے لگا یہ آپ کے لیے ہے اور یہ کچھ مجھے تحفے میں دیا گیا ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم میں سے کوئی آدمی اپنے باپ کے گھر میں بیٹھے اور پھر دیکھے کہ اسے کوئی تحفہ دیتا ہے یا نہیں؟ اللہ کی قسم اس مال میں سے جو کچھ لے گا قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر لادکر لائے گا اگر اونٹ ہوگا تو وہ آوازیں دے رہا ہوگا اگر بکری ہوگی تو وہ آوازیں دے رہی ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ میں نے پہنچادیا تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔(بخاری۔مسلم۔احمد ۔ابو عوانہ۔بھیقی)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا:تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا امام ذمہ دار ہے اس سے عوام کے بارے میں پوچھا جائے گا آدمی اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جواب دہ ہے عورت اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جواب دہ ہے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ذمہ داری کے لیے جوابدہ ہے۔(بخاری۔مسلم۔احمد)

۷۔ساتویں ذمہ داری: ملک کی حفاظت ،دیار اسلام کا دفاع، مال وجان کا تحفظ امت کو خطرات سے محفوظ رکھنے کی کوششیں کرنا۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ (توبہ:۳۶)

مشرکین سے قتال کرو سب کے ساتھ کہ جب تک وہ تم سے لڑتے رہیں۔

فرماتا ہے:

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً (توبة:۱۲۳)

ایمان والو جو کفار تمہارے ساتھ لڑتے ہیں ان سے لڑو اور تم میں ان کے لیے سختی ہونی چاہیے۔

اللہ نے متعدد آیات میں کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مدار و بنیاد امام پر ہے اس لیے کہ امام ہی فوجیں تیار کرتا ہے وہی دستے روانہ کرتا ہے۔ غنیمت و فئ تقسیم کرتا ہے معاہدے کرتا ہے اسی لیے علماء نے کہا ہے جہاد کا دارومدار امام پر ہے اگر امام نہ ہو اور مصلحت کا تقاضا ہو تو جہاد کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا ۔جو بہتر آدمی ہو وہ لوگوں کو اس مہم پر روانہ کرسکتا ہے۔(المغنی:۸/۳۵۲-۳۵۳)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بہترین اور بہادر ترین اور سب سے زیادہ سخی تھے ایک مرتبہ مدینہ والے کسی آواز کو سن کر گھبرا گئے اور آواز کی سمت چل پڑے تو آگے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جا کر معلوم کر چکے تھے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔(بخاری۔ترمذی۔احمد۔بیہقی۔ابو یعلیٰ)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے پوچھا تم لوگ حنین والے دن بھاگ گئے تھے؟ براء نے کہا اللہ کی قسم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے بلکہ جلد باز قسم کے لوگ بھاگے تھے اور قبیلہ بنو ہوازن نے ان پر تیر برسائے تھے جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر تھے۔سفید خچرنی پر تھے اور ابو سفیان بن

الحارث رضی اللہ عنہ نے خچرنی کی لگام پکڑ رکھی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔(بخاری۔مسلم۔ابوداؤد۔نسائی)

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا اور دیگر دستوں کے ساتھ گیا ہوں ان کی تعداد نو غزوات کی ہے ایک مرتبہ ہمارے امیر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔(بخاری۔مسلم۔ابوعوانہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے پیچھے رہنے والوں کو میرے ساتھ نہ جانے کا دکھ ہوگا اور میرے پاس اتنی جنگی سواریاں ہیں نہیں کہ سب کو دیدوں تو میں کسی غزوہ سے کبھی پیچھے نہ رہتا اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتال کروں اور شہید ہوجاؤں پھر زندہ ہوجاؤں پھر شہید ہوجاؤں پھر زندہ ہوجاؤ پھر شہید ہوجاؤں۔(بخاری۔مسلم۔طبرانی)

جہاد کے لیے دستے اور لشکر روانہ کرنا امیر کا کام ہے۔امراء وعمال مقرر کرنا بھی امام کی ذمہ داری ہے یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ کیا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا یہ تین سوافراد تھے میں بھی ان میں شامل تھا۔ہم راستے میں تھے کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ جتنا کھانے کا سامان ہے سب کو ایک جگہ جمع کرو اس میں سے روزانہ حسب ضرورت تھوڑا سا کھانا ہر شخص کو دیا جاتا تھا وہ بھی ختم ہوگیا اور ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی......(بخاری۔ابن حبان۔ابوعوانہ۔مالك)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شہید ہوجائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اگر وہ شہید ہوجائیں تو

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس غزوہ میں تھا ہم نے تلاش کیا تو جعفر کو مقتولین میں پایا ان کے جسم میں نوے سے زیادہ تیر وتلوار کے زخم تھے۔(بخاری۔ابن حبان)

ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام کی ذمہ داری ہے سرحدوں کا تحفظ کہ دشمن کو اس طرح غلبہ حاصل نہ ہو کہ وہ عزتیں پامال کرے یا کسی مسلمان کا خون بہائے۔امام پر اسلام دشمنوں سے جہاد کرنا واجب ہے تاکہ اللہ کا دین تمام ادیان (باطلہ) پر غالب آجائے۔(الاحکام السلطانیہ:١٦)

فاجر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا فائدہ

سوال: اکثر مجاہدین سوال کرتے ہیں بعض مقامات پر ہم نے دیکھا ہے کہ جہاد اور جہاد کی تیاری ایسے امراء کرواتے ہیں جن میں کچھ عیوب ونقائص ہوتے ہیں یا فسق وبدعت ہوتی ہے کیا ان امراء کی معیت میں جہاد ہوسکتا ہے؟ یا بہتر یہ ہے کہ ان کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے بلکہ کسی اور متقی اور باکردار شخص کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے؟ جب مجاہد کو ان فاسقوں کے علاوہ کوئی نہیں ملتا اور ان کے ساتھ جہاد نہیں کیا جاتا تو جہاد کا سلسلہ کلیۃً ترک ہوجاتا ہے تو کیا ایسے میں ان امراء کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے؟ کیا ایسے امیر کی اطاعت بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح متقی عادل امیر کی ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب سے قبل ہم فاجر کی تعریف کرنا چاہتے ہیں فاجر کہتے ہیں جو عادل نہ ہو۔عادل کا مطلب ہے آدمی اپنے دین میں صحیح ہو۔ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عدل ہر اس عہدے کے لیے معتبر وضروری ہے عدل کا معنی سچ بولنا۔دیانتداری۔محرمات سے اجتناب ۔برائیوں سے بچنا۔مشکوک کاموں سے اجتناب کرنا غصہ وخوشی میں خود پر قابو رکھنے والا دین ودنیا میں اعتدال کی راہ اپنانے والا اجمالی طور پر دو باتیں اس میں اہم ہیں:

① دین کے لحاظ سے اصلاح یعنی فرائض کی ادائیگی محرمات سے اجتناب کہ گناہ کبیرہ نہ

کرے اور صغیرہ پر مداومت نہ کرے۔

② سنجیدگی ومتانت ۔یعنی ایسے کام کرنا کہ جو انسان کی خوبصورتی وخوبی کا باعث ہوں اور غلط اور معیوب کاموں سے اجتناب کرے۔(منارالسبیل:۲/۴۸۷-۴۸۸)

فاسق وفاجر وہ ہے جو ظاہری طور پر گناہ کا ارتکاب کرتا ہو کبائر پر مصر رہتا ہو ان سے توبہ نہیں کرتا رکتا نہیں ہے وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتا۔اب آتے ہیں سوال کے جواب کی طرف اس کی تین شقیں ہیں یا تین طرح کا زاویہ نگاہ ہوسکتا ہے۔

① یہ جاننا لازم ہے کہ علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ فاسق فاجر کو عہدہ نہیں دیا جا سکتا اور جس آدمی کے اختیار میں عہدہ دینا ہے اس پر لازم ہے کہ کسی عہدے پر عادل اور صالح آدمی کا تقرر کرے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

قَالَ لاَ یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ(بقرہ:۱۲۴)

میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

ارشاد ہے:

اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ(قصص:۲۶)

آپ جو مزدور رکھنا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ قوی اور دیانتدار ہو۔

اسی لیے علماء نے کہا ہے جس آدمی نے فسق، فجور اور بدعت کا اظہار کیا اسے مسلمانوں کا امام نہیں بنایا جاسکتا امامت کس فاسق فاجر کو نہیں دی جا سکتی یہ لوگ تو تعزیر کے لائق ہیں جب تک توبہ نہ کرلیں اس وقت تک ان سے قطع تعلق کرنا بہتر ہے۔اس کے لیے اللہ کا یہ فرمان بنیاد ہے:

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لاَ یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ(بقرہ:۱۲۴)

اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور ابراہیم علیہ السلام نے وہ کلمات پورے کیے تو اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے کہا میری اولاد میں سے بھی بنادے اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

لہٰذا ظالم و فاجر شخص کو امام نہیں بنایا جاسکتا مسلمان پر لازم ہے کہ ایسے امیر کے بارے میں بہتر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے جب تک اس کو تبدیل کر کے صالح عادل امیر نہ آجائے۔

② اگر اس طرح نہ ہوسکے اور امیر فاسق و فاجر یا بدعتی ہو تو پھر مسلم مجاہد کو اگر موقع ملتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی بہتر امیر کے ساتھ مل جائے تو ملنا چاہیے اور فاجر کے ساتھ کام نہ کرے اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو جہاد کسی صالح امیر کے تحت ہوگا دوسرا یہ کہ اس فاجر امیر کی اصلاح ہو جائے گی کہ جب اس کو چھوڑ دیا جائے گا اس سے دوری اختیار کر لی جائے گی تو اسے احساس ہو جائے گا۔ جیسا کہ مسجد کا امام ہوتا ہے کہ جب کچھ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ کر کسی اور کے پیچھے پڑھنا شروع کر دیں تو اس کا اثر اس منکر پر پڑے گا جو اس کے اندر پائی گئی ہے پھر وہ اس سے توبہ کر لے گا اس طرح اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرنا شرعی مصلحت ہوتی ہے بشرطیکہ مقتدیوں کا جمعہ اور جماعت فوت نہ ہو اسی طرح جہاد میں بھی کرنا چاہیے۔(شرح العقيدة الطحاويه: ٤٢٣)

اگر کسی مسلمان کو فاجر فاسق امام کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ملے کسی بھی وجہ سے اور اسکی معیت میں جہاد ترک کرنے سے مکمل طور پر جہاد رہ جاتا ہے تو پھر یہاں جواب کی دو شقیں بنیں گی۔

ا۔ اگر امام کے فجور اس ذات تک محدود ہوں مثلاً شراب پیتا ہو مال غنیمت میں غبن کرتا ہو یا اس کا فسق و بدعت ایسی نہ ہو کہ اس کی بنیاد پر جہاد کو باطل کر دیا جائے تو ایسے امام کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کی جائے گی بشرطیکہ اس کی اطاعت اللہ رسول کی

معصیت نہ ہواور جب تک یہ فجور جہاد کی مصلحت میں مخل نہ ہو یہ بھی تب ہے کہ جب امام کی اصلاح کی کوشش ہر وقت جاری رہے اور اس کے لیے اصلاح کی دعا بھی کی جاتی رہے اس بنیادی مسئلہ پر پہلے دلائل دیئے جا چکے ہیں۔ یہ حکم جو میں نے ذکر کیا ہے یہ اہل سنت والجماعۃ کے ہاں تسلیم شدہ ہے خرقی کا قول ہے کہ ہر نیک وفاجر کی معیت میں جہاد ہوسکتا ہے اس قول پر ابن قدامہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے مراد یہ ہے کہ ہر امام کے ساتھ مل کر جہاد کیا جا سکتا ہے۔ امام اہل السنۃ ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال ہوا جو کہتا ہے کہ میں جہاد نہیں کروں گا اور اسے عباس کے بیٹے نے پکڑ لیا ہے کیا ان (عباسیوں) کو مال فئ پورا دیا جائے گا؟ امام احمد نے کہا یہ تو برے لوگ ہیں جاہل ہیں خود بیٹھے ہوئے ہیں ان سے کہا جائے گا تم خود تو بیٹھے ہو اور دوسروں کو جہاد کا کہہ رہے ہو تو کون جائے گا؟ کیا اسلام ختم نہیں ہوا روم کیا کرے گا؟ ابن قدامہ نے کہا کہ ابوداؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر جہاد واجب ہے ہر نیک وفاجر امیر کے ساتھ (ابوداؤد۔ ابویعلیٰ)۔ ابن حجر کہتے ہیں: کہ لابأس بہ باسنادہ الا یہ کہ مکحول جو ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں تو مکحول نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتیں ایمان کی بنیاد ہیں لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں کسی عمل کی وجہ سے کسی اسلام سے خارج نہ کریں ۔ جہاد اس وقت تک جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب میرا آخری امتی دجال سے جنگ کرے گا اور تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد۔ سند میں یزید بن ابی نشبہ مجہول ہے)

فاجر امام کی معیت میں جہاد نہ کرنے سے جہاد ختم ہوسکتا ہے اور کفار مسلمانوں پر غالب آجائیں گے اس میں بڑا فساد ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَوۡ لاَ دَفۡعُ اللهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ (بقرہ:۲۵۱)
اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے نہ دباتا تو زمین میں فساد ہوجاتا۔(المغنی والشرح الکبیر)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں میں قوت کا جمع ہونا اور دیانتداری کم ہے اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں فاجر کی طاقت اور بھروسہ کی کمی سے۔لہٰذا ہر عہدے کے لیے نسبتاً صالح آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے۔حرب وجنگ میں طاقتور اور دلیر آدمی کا چناؤ کرنا چاہیے اگرچہ اس میں کچھ فجور رہوں بجائے کمزور آدمی کے اگرچہ وہ دیانتدار ہو۔جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے دو آدمیوں کے بارے میں سوال ہوا دونوں غزوہ کے امیر ہیں ایک طاقتور فاجر ہے دوسرا صالح کمزور ہے دونوں میں سے کس کے ساتھ مل کر غزوہ میں شریک ہوا جائے؟ جواب دیا جو فاجر قوی ہے اس کی قوت مسلمانوں کی قوت ہے جبکہ اس کے گناہ اس کے لیے ہیں جبکہ نیک اور صالح کمزور آدمی جو ہے اس کی نیکی اس کے لیے ہے اور کمزوری مسلمانوں کے لیے (مصیبت بنے گی) لہٰذا طاقتور فاجر کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونا چاہیے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس دین کو فاجر آدمی کے ذریعے سے قوت دے گا۔یہ بھی روایت ہے ایسے لوگوں کے ذریعے جن کا (دین میں) کوئی حصہ نہ ہوگا۔(بخاری۔نسائی۔ابن حبان)

اگر ایک آدمی فاجر نہیں ہے (اور طاقتور ہے) تو یہ زیادہ مستحق ہے کہ اسے جنگ کے لیے امیر بنالیا جائے اگرچہ اس سے زیادہ صالح لوگ موجود ہوں مگر اس کی طرح جنگ کے لیے کارآمد نہ ہوں۔(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ :۲۸/۲۵۴-۲۵۵)

اس مسئلہ سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا ہے اگر ان تاتاریوں کے مقابلے کے لیے صحیح اور مکمل طریقے سے لوگ متفق ہوجائیں تو یہ اللہ کی

رضامندی، دین کے قیام، کلمۃ اللہ کی بلندی اور رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے بہتر ہے بلکہ مقصود ہے اور اگر ان میں سے ایسا بھی ہو جس میں فجور وفساد نیت ہو مثلاً بعض امور میں ریاست کی خلاف ورزی کرتا ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف قتال کرنا چاہیے اس لیے کہ تاتاریوں سے قتال نہ کرنے کی صورت میں بہت بڑا افساد ہوگا لہٰذا ان کے ساتھ قتال کرنا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ چھوٹے فساد کے بجائے بڑے فساد کو روکنا ضروری ہے یہ اسلام کا اصول ہے اس کی پابندی ضروری ہے اسی لیے اہل سنت والجماعت کے اصول میں ہے کہ ہر نیک وبد کے ساتھ مل کر غزوہ کیا جائے۔ بلکہ خلفاء راشدین کے بعد اکثر غزوات اسی طرح کے ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ سے منقول ہے فرمایا: قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی میں خیر لکھا گیا ہے اجر اور غنیمت۔ (بخاری۔مسلم۔احمد۔نسائی۔ترمذی۔ابوداؤد)

یہی مطلب اس حدیث میں بھی بیان ہوا ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک میری امت کا آخری آدمی دجال کے ساتھ قتال نہ کرے کسی ظالم کا ظلم یا عادل کا عدل اسے باطل نہیں کرسکتا۔ مشہور حدیث ہے: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور قیامت تک کوئی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (بخاری مسلم)

ان کے علاوہ بھی نصوص ودلائل ہیں جن کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو بھی امیر مستحق جہاد ہے اس کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے چاہے فاجر ہو یا صالح البتہ روافض اور خوارج نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے: عنقریب فاجر، ظالم اور بددیانت امیر ہوں گے جس نے ان کے جھوٹے ہونے کے باوجود ان کی تصدیق کی ان کے ساتھ تعاون کیا وہ مجھ سے نہیں نہ میں اس سے ہوں (میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں) نہ ہی وہ حوض کوثر پر آئے گا اور جو ان کی تصدیق نہیں کرے گا ان کے ظلم میں ان کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا

وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں اور وہ حوض کوثر پر عنقریب آئے گا۔

(ابن ماجہ۔طبرانی۔حاکم)

جب آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ نے جہاد کا حکم دیا ہے اور یہ امراء کے تحت ہوگا، قیامت تک جاری رہے گا اور یہ کہ نبی ﷺ نے ظالموں کے ساتھ تعاون کرنے سے منع کیا ہے تو آدمی سمجھ جائے گا کہ درمیانہ راستہ جو خالص دین اسلام کا راستہ ہے وہ یہ ہے کہ جہاد کرنا ہے اور ان لوگوں کی معیت میں بھی کرنا ہے جن کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ ہر امیر کے ساتھ مل کر جہاد ہو اس لیے کہ اسلام کے لیے جہاد ضروری ہے اور جب ان کے بغیر نہیں ہوتا تو اسی طرح کرنا ہوگا البتہ ان کے ان احکام کی اطاعت کی جائے گی جو اللہ کی اطاعت کے ہوں اور جو اللہ کے معصیت کے ہوں ان میں اطاعت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی ۔ یہ ہے اس امت کا بہترین طریقہ ہر مکلّف پر یہ طریقہ لازم ہے یہ درمیانہ راستہ اور مسلک ہے بخلاف حروریہ کے و مرجئہ کے ۔حروریہ نے پرہیزگاری کا جو غلط اور خودساختہ راستہ اپنایا ہے وہ ان کے علم کی کمی کی وجہ سے ۔مرجئہ نے ہر قسم کے امراء کی مطلق اطاعت کا راستہ اپنایا ہے ۔اگرچہ وہ نیک اور صالح نہ ہوں (یہ دونوں مسلک غلط ہیں)۔(مجموع الفتاویٰ :۲۸/۵۰۶-۵۰۸، شرح عقیدۃ الطحاویہ :۴۲۲-۴۲۳)

عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں: (مصنف کا یہ قول کہ) حج اور جہاد مسلمان امراء نیک و بد کی معیت میں قیامت تک جاری رہیں گے کوئی چیز ان کو ختم یا باطل نہیں کرسکتی۔شارح کہتے ہیں: شیخ کا مقصد روافض کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ جہاد صرف اس صورت میں ہوگا جب آل محمد میں سے ایک راضی نہ ہو اور آسمان سے آواز نہ آئے کہ اس کی اتباع کرو۔ یہ قول واضح طور پر باطل ہے ان کی شرط ہے کہ امام معصوم ہو اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم میں عوف بن مالک

الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہارے بہترین امام وہ ہیں جنہیں تم پسند کرو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہوں وہ تمہارے لیے اور تم ان کے لیے دعائیں کرو اور تمہارے برے امام وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہوں تم ان پر اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔ میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ ہم ایسے میں ان کو چھوڑ نہ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں یاد رکھو جس نے اپنے امیر و حکمران میں اللہ کی معصیت کا کوئی کام دیکھ لیا تو اس کام و عمل سے نفرت کرے مگر امیر کی اطاعت سے نہ نکلے۔ اس حدیث میں جن امراء کا ذکر ہے امت میں اس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ امام کا معصوم ہونا یہ کسی نے نہیں کہا۔(شرح عقیده طحاویه:٤٣٧)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے لیے باب باندھا ہے باب الجهاد ماض مع البر والفاجر لقول النبی ﷺ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة: باب ہے اس بارے میں کہ جہاد جاری ہے ہر نیک اور فاجر کی معیت میں اس لیے کہ رسول ﷺ کا فرمان ہے گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر ہے۔ دوسری روایت میں الفاظ ہیں: گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے خیر ہے اجر یا غنیمت)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی میں خیر ہے اس سے مراد جہاد کے گھوڑے ہیں اور خیر سے مراد ہے غنیمت واجر۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب امام عادل کی امارت میں جہاد ہوگا اس فضیلت کے حصول میں اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ جہاد ظالم امام کی معیت میں ہو یا عادل کی، ترغیب جہاد کی ہے گھوڑوں کی نہیں ہے۔(فتح الباری:٦/٥٦)

فاجر امام کی معیت میں جب جہاد کیا جا سکتا ہے تو اس کے پیچھے نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے جب اس

کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے میں فساد زیادہ ہو یا اگر اس کے پیچھے نہ پڑھیں تو نماز نہیں ہو رہی ہو۔ یہ بھی اہل سنت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے اس کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جو حکمران عدل سے فیصلہ کرتا ہے اور عدل سے تقسیم کرتا ہے تو ان معاملات میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے گا اسی طرح اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہو پھر بھی تعاون کیا جائے گا اگر اس میں بہت زیادہ فساد نہ ہو ایسے لوگوں کو جمعہ وجماعت کے امام بھی بنایا جاسکتا ہے البتہ اگر صالح ونیکوکار امام دستیاب ہو تو فاجر وگناہ گار اور ظاہری بدعات کرنے والے کو امام نہیں بنانا چاہیے بلکہ حسب استطاعت ایسے لوگوں کی امامت پر اعتراض کرنا چاہیے اور اگر ایسا ہو کہ دو آدمیوں میں سے کسی کو عہدہ دینا ہو گا اور دونوں بدعتی ہیں تو دونوں میں سے نسبتاً صالح کو امام بنانا واجب ہے جب غزوہ میں ایسی صورتحال ہو کہ دو افراد میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ضروری ہو گیا ہو اور ان میں سے ایک دیندار ہے مگر جہاد کے لیے کمزور ہے اور دوسرا گناہ گار ہے مگر جہاد کے لیے مفید ہے تو اس گناہ گار کو امیر بنایا جائے گا جس آدمی کی حکمرانی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو اسے ہی امیر بنانا چاہیے۔(منهاج السنة النبوية ٥٢٦/٤:)

العقیدہ الطحاویہ کے شارح کہتے ہیں: اگر کسی آدمی کی بدعت یا گناہوں کے بارے میں علم نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے اس ائمہ کا اتفاق ہے یہ شرط نہیں ہے کہ مقتدی امام کا عقیدہ جانتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ اس سے عقید معلوم کرے بلکہ مستور الحال کے پیچھے نماز پڑھتا رہے اگرچہ کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جو بدعتی ہے اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دے رہا ہے یا کھلا فسق کر رہا ہے مثلاً تنخواہ دار امام جو جمعہ وعیدین وغیرہ کے لیے رکھے جاتے ہیں یا عرفہ کے دن کا امام۔ مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا یہ سلف وخلف کا مذہب ہے اگر کسی نے بدعتی اور گناہ

گا رامام کے پیچھے نماز وجمعہ چھوڑ دیا تو وہ اکثر علماء کے نزدیک بدعتی ہے صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس نماز کو دہرائے گا نہیں جیسے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کی امامت میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاجر ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اسے دوبارہ نہیں لوٹاتے تھے۔اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ولید بن عقبہ بن ابی معید کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ شراب پیتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے فجر کی چار رکعت پڑھائی اور پھر کہا اور پڑھادوں؟ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو کسی نے عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ عوام کے امام ہیں اور یہ جو نماز پڑھا رہا ہے یہ امام فتنہ ہے۔عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا نماز لوگوں کا بہترین عمل ہے جب لوگ یہ عمل کریں تو تم بھی ان کے ساتھ یہ عمل کرو اور جب وہ کوئی برا کام کریں تو اس سے اجتناب کرو۔شارح عقیدہ کہتے ہیں: اگر ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے مقتدی کی جماعت سے نماز اور جمعہ ضائع ہوتا ہو تو وہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک نہ کرے ایسا کرنے والا بدعتی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مخالف ہے اسی طرح اس نے معاملات نمٹانے کے لیے کسی کو مقرر کیا ہو اور اس کے پیچھے نماز ترک کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ چھوڑے بلکہ پڑھنا افضل ہے اگر انسان کے لیے ممکن ہو کہ کسی ظاہری منکر کے مرتکب کو امام نہ بنائے تو اس پر واجب ہے کہ ایسا نہ کرے۔اور اگر امام کسی اور نے مقرر کیا ہو اور اس کو امامت سے ہٹانا ممکن نہ ہو یا اس کو امامت سے ہٹانا کسی اور بڑے شر کا سبب بنتا ہو تو چھوٹے فساد کے بدلے میں بڑا فساد نہیں اپنانا چاہیے اس لیے کہ شریعت کا مقصد شر وفساد کو ختم کرنا یا کم کرنا ہے جماعت سے نماز اور جمعہ کا ترک بڑا فساد ہے بنسبت فاجر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے خاص کر اس صورت میں کہ نماز چھوڑ دینے کے باوجود امام گناہوں کو نہ چھوڑتا ہو تو ایسے میں مفسدہ ختم ہونے کے بجائے شرعی مصلحت معطل ہو جائے گی۔(شرح عقیدة الطحاوية: ٤٢٢-٤٢٣)

جواب کی دوسری شق اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب ایسے امیر کی نافرمانی جہاد کو نقصان پہنچا رہی ہو یا جہاد کا مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو مثلاً یہ کہ امیر اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرتا ہو یا جہاد کے معاملے میں بددیانتی کرتا ہو یا مسلمانوں کے مرنے کی پرواہ نہ کرتا ہو اور یہ بھی کسی مصلحت کے بغیر ہو۔ یا مسلمانوں کے خلاف قتال کر رہا ہو تا کہ کسی طاغوت کی حکمرانی قائم رہے یا اسلام کے خلاف کوئی نظام قائم ہو تو ایسے لوگوں کی معیت میں جہاد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ انہوں نے امارۃ کے اصل مقصود کی مخالفت کی ہے۔(قرطبی: ۱/۲۷۲)

اسی لیے علماء نے فرق کیا ہے اس امیر میں کہ جس کے گناہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوں۔(المغنی والشرح الکبیر: ۱/۳۷۱-۳۷۲)

مسلم حکمران ہو تو عوام کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟

ایسے حکمران کی موجودگی میں عوام کی ذمہ داریاں مختصراً یہ ہیں:

سننا اطاعت کرنا مگر معصیت میں نہیں۔ صبر کرنا اگرچہ عوام کے کچھ حقوق روک لے۔ اس کے لیے دعا کرنا۔ اس کی امارت کے تحت جہاد کرنا۔ زکاۃ اس کو دینا۔ اور شرعی آداب کے ساتھ اس کی خیر خواہی و نصیحت کرنا۔

۱۔ پہلی ذمہ داری: سننا اور اطاعت کرنا مگر معصیت میں نہ ہو۔ امیر کی اطاعت کرنا عبادت ہے جس کا اجر اللہ دیتا ہے اس لیے کہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ امیر کی اطاعت مسلمانوں کے اتحاد کا سبب ہے ان کی اطاعت سے لوگوں کے باہمی اختلافات و اختلاف رائے ختم ہو جاتے ہیں جو اگر برقرار رہیں تو باہمی انتشار کا سبب بنتے ہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کی کمزوری ہے۔ اسی لیے شریعت نے مسلمانوں کے اختلافات و تنازعات ختم کرنے کی نیت سے ایک امام کا تقرر مشروع قرار دیا ہے اور سننے و اطاعت دونوں کا بیک وقت حکم دیا ہے اللہ نے اپنے

مومن بندوں کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاسۡمَعُوۡا وَ اللّٰہُ لاَ یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ(مائدہ:۱۰۸)

اللہ سے ڈرتے رہوسنواوراللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ جو کہا جاتا ہے وہ سنو جو تمہیں کرنے کو کہا جائے وہ کرو اللہ کے حکم کی اتباع کرو ۔اللہ کا فرمان ہے:

وَ اسۡمَعُوۡا وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ(بقرہ:۱۰٤)

سنواور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یعنی جو کچھ کہا جارہا ہے اسے سنواور کتاب اللہ میں سے جو کچھ تمہیں بتایا جائے اسے یادرکھواور سمجھو ۔سننے کا حکم دینے کا مطلب ہے اطاعت کرنا قبول کرنا صرف کانوں سے سننا نہیں ہے جیسا کہ سمع اللہ لمن حمدہ ہے کہ اللہ نے حمد قبول کر لی ۔کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو نو تھے ۔پانچ تھے چار تھے فرمایا سنو کیا تم نے سن لیا میرے بعدامیر ہوں گے جوان کے پاس گیا ان کے جھوٹ کو سچ کہا ان کے ظلم میں ان کا ساتھ دیا اس کا مجھ سے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی وہ حوض کوثر پر آ سکے گا اور جوان کے پاس نہیں گیا ان کے ظلم پر ان کی مدد نہیں کی ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کی اس کا مجھ سے اور میرا اس سے تعلق ہے وہ حوض کوثر پر آئے گا۔(احمد ۔ترمذی)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوسنو، سمجھواور جان لو کہ اللہ کے کچھ بندے جو انبیاء نہیں ہیں نہ ہی شہداء ہیں مگر انبیاء وشہداء ان کے مقام ومرتبے اور اللہ سے ان کی قربت کی وجہ سے ان رشک کریں گے۔(احمد۔دارمی)

سابقہ آیات واحادیث سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ سننا دوقسم کا ہے اور سمجھنا اور ہدایت بھی دو

قسم کی ہے اس تقسیم کے لیے دلائل بھی ہیں مثلاً اللہ نے کافروں کے لیے ایک قسم کا سننا اور سمجھنا اور ہدایت ثابت کیا ہے اور ان سے ایک اور قسم کے سننے، سمجھنے اور ہدایت کی نفی کی ہے، پہلی قسم سے مراد ہے ان پر حجۃ قائم کرنا یعنی حجۃ کو سمجھنا صحیح طریقہ سے۔ جبکہ دوسری قسم جس کی نفی کی گئی ہے سے مراد وہ سننا، سمجھنا اور ہدایت ہے جو مومنوں کو حاصل ہے یعنی حجۃ قبول کرنا اس پر ایمان لانا اس سے فائدہ لینا اس کی تفصیل یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

سماعت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے سماع ادراک اللہ نے کافروں کے لیے یہی سماعت ثابت کی ہے:

قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ(بقرہ:۹۳)

کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بیٹھ گئی ہے۔

يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ(نساء:٤٦)

کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی سنو نہ سنا جائے۔

وَ لاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لاَ يَسْمَعُوْنَ(انفال:۲۱)

ان کی طرح مت ہونا جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ(انفال:۳۱)

وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس طرح کا کلام بنا سکتے ہیں یہ صرف پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ(توبۃ:٦)

اگرکوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔

يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا(جاثية:٨)

اللہ کی آیات سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر تکبر کرتا ہے جیسے اس نے سنی ہی نہیں۔

اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کانوں سے سنتے ہیں اور ایک وقت میں قلبی سماع کی نفی کی گئی ہے یہ دوسری قسم کا سماع ہے یعنی قبول کرنے ، رہنمائی حاصل کرنے ،فائدہ اٹھانے کا سماع ہے اس قسم کے سماع کی اللہ نے کفار سے نفی کی ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ وَ لَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ(انفال:٢٣)

اگران میں خیر جانتا (یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ ان میں خیر نہیں ہے) تو انہیں سنوا دیتا اگر انہیں سنواتا تو وہ منہ پھیر لیتے اور اعراض کرنے والے ہوتے۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ هُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ(انفال:٢١)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

فرماتا ہے:

وَ قَالُوۡا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ(ملك:١٠)

کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔

اللہ نے ان کے لیے کانوں کی سماعت یعنی ادراک ثابت کر دیا ہے جیسے: **قالوا قد سمعنا** اور قبولیت کی سماعت کی نفی کی ہے کہ **وھم لایسمعون** اور **لو کنا نسمع** اسی طرح اللہ یہ فرمان بھی اسی سے متعلق ہے:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ‌ وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ(انعام:۲۵)

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ (ﷺ) کی بات کو غور سے سنتے ہیں مگر ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں۔

عقل کی دو قسمیں ہیں:

① وہ عقل جو دیوانگی وجنون کی ضد ہے جس کی وجہ سے یا موجودگی کی بنا پر ہی شرعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی عقل کے ذریعے سے انسان معانی ومقاصد کو سمجھتا ہے یہ عقل کفار کے پاس تھی وہ مخاطب کی بات کو سمجھ لیتے تھے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَـكُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ(بقرہ:۷۵)

کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات کا یقین کرلیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کرتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے۔

اس آیت میں اللہ نے کفار کی سماعت ثابت کی ہے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ وہ اللہ کے کلام کا معنی بھی سمجھتے تھے لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

② دوسری قسم کی عقل ہے دلی طور پر کسی چیز کی سمجھ وادراک اور اس کے ساتھ خطاب کی

قبولیت اوراس سے فائدہ حاصل کرنا بھی لازم ملزوم ہے اللہ نے اس قسم کی عقل کی کفار سے نفی کی ہے جیسا کہ آیت گزری ہے:**وَ قَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ** ......یا جیسا کہ فرمان ہے:

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لاَ یَعْقِلُوْنَ(بقرہ:۱۷۱)

گونگے بہرے اور اندھے ہیں عقل نہیں رکھتے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ(فرقان:٤٤)

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سن رہے ہیں یا سمجھ رہے ہیں یہ لوگ تو صرف چوپائے ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر آیات جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار کی عقل نہیں ہے یہ بھی اللہ نے بتلایا ہے کہ ان کی عقل بطور عذاب وسزاء چھین لی گئی ہے کہ یہ اللہ کے دین سے اعراض کرتے تھے۔جیسا کہ فرمان ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعْرَضَ عَنْھَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا وَ اِنْ تَدْعُھُمْ اِلَی الْھُدٰی فَلَنْ یَّھْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا(کہف:۵۷)

کون ہے بڑا ظالم اس سے جس کو اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی اور اس نے اعراض کرلیا اور بھول گیا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا ہم نے ان کے دلوں پر تالے ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ڈاٹ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ کبھی راہ نہ پائیں گے۔

اللہ نے یہ بتایا کہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر ان کے لیے بطور سزاء کے لگائی گئی ہے اس لیے کہ

وہ اللہ کی آیات میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے تھے ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے
۔ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ رہنمائی کرنا راہ دکھانا یہ ہدایت کفار کو دی گئی یعنی راستے کی طرف ان کی رہنمائی کر دی گئی تھی جیسا کہ فرمایا ہے:

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى(فصلت:۱۷)

اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی مگر انہوں نے اندھے پن کو اختیار کر لیا ہدایت کے بدلے

انسان کے بارے میں اللہ نے یہی فرمایا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا(دهر:۳)

ہم نے اس کو راستہ دکھایا اب چاہے یہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ(رعد:۷)

اور ہر قوم کے لیے ہدایت دینے والا ہے۔

ان کے علاوہ بھی اس مفہوم کو واضح کرنے والی آیات ہیں یہ ہے وہ ہدایت جو ثمود کو، تمام جنات اور انسانوں کافروں و مومنوں کو دی گئی یعنی اللہ نے ان سب کو اطاعات و معاصی کی نشان دہی کر دی اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کر دیا۔

۲۔ دوسری قسم کی ہدایت ہے قبول کرنے، اپنانے والی ہدایت اس قسم کی ہدایت کی اللہ نے کفار سے نفی کی ہے جیسا کہ فرمان ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ(قصص:۵۶)

(اے محمد ﷺ) آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہتے ہیں لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَیۡسَ عَلَیۡکَ ھُدٰھُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ(بقرہ:۲۷۲)

آپ کے ذمہ ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ نے واضح کر دیا کہ نبی ﷺ صرف راہ دکھانے کے ذمہ دار ہیں جیسا کہ فرمان ہے:

اَفَاَنۡتَ تَھۡدِی الۡعُمۡیَ وَ لَوۡ کَانُوۡا لاَ یُبۡصِرُوۡنَ(یونس:۴۳)

کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے اگر وہ نہیں دیکھتے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

وَ مَآ اَنۡتَ بِھٰدِ الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِھِمۡ(روم:۵۳)

آپ اندھے کو اس کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے۔

اس طرح کی دیگر آیات بھی اس مقصد کو واضح کرتی ہیں اللہ نے کفار کے لیے جو سماعت اور رہنمائی ثابت کی ہے وہ ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ جو شخص کسی بھی وجہ سے خطاب اور بات نہ سمجھ سکے اس کا حساب کیا جائے گا؟ ان کفار سے جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس سے دوسری قسم یعنی قبول کرنے اور اپنانے کی ہدایت مراد ہے۔ یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ نے مومنوں پر بطور احسان کے بیان کی ہے فرماتا ہے:

اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡآ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَھُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا(نور:۵۱)

مومنوں کو جب اللہ و رسول (ﷺ) کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم

نے سن لیا اور مان لیا۔

دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ(محمد:۱۷)

جن لوگوں نے ہدایت قبول کی (اللہ نے) ان کی ہدایت اور تقوی میں اضافہ کر دیا۔

یہاں ہدایت سے مراد توفیق اور مدد ہے جو کسی بھلائی کی کسی کو دی جائے اور کسی کے دل میں پیدا کی جائے۔ اطاعت کا حکم اللہ کے اس فرمان میں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ(نساء:۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔

قرآن میں اس طرح کا حکم بہت سی جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ اللہ نے سننے اور ماننے دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ(تغابن:۱۶)

سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

اطاعت کا مطلب ہے حکم کو قبول کرنا اس کے مطابق عمل کرنا اس کی ضد معصیت ہے یعنی حکم کی مخالفت کرنا اس کو ردّ کرنا آیت کا مفہوم ہے جس بات کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اسے سنو جو حکم دیا جاتا ہے اسے مانو جس سے منع کیا جاتا ہے اس سے رک جاؤ۔ مقاتل کہتے ہیں: یہاں سننے سے مراد ہے توجہ سے سنو جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے کتاب اللہ میں سے اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو جو بھی حکم دیں یا منع کریں کسی نے کہا ہے یہاں سننے سے مراد ہے قبول کرو جو کچھ سنتے ہو۔ اولی الامر کی اطاعت کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ**

امَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ(نساء:۵۹)①۔

اولی الامر سے مراد وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے لازم قرار دی ہے چاہے حکمران ہوں یا علماء جمہور سلف وخلف مفسرین اور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔(شرح نووی مسلم:۱۲/۴۶۴-۴۶۵،ابن کثیر:۱/۴۴۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے علماء وحکمرانوں میں سے اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے ساتھ ہی وضاحت کردی ہے کہ ان کی اطاعت اس بات سے مشروط ہے کہ وہ مسلمان ہوں (مِنْکُمْ) اسی لیے اہل علم نے کہا ہے کہ جن اولی الامر کی اطاعت واجب ہے ان سے مراد علماء اور فقہاء اور وہ حکمران ہیں جو اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں وہ حکمران مراد نہیں ہیں جو منکر کا حکم کرتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں جو لوگوں کو زبردستی کفر اپنانے پر مجبور کرتے ہیں یہ وہ اولی الامر نہیں جن کی اطاعت واجب ہے۔ بلکہ اولی الامر سے مراد وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں معروف کا حکم کرتے ہیں منکر سے منع کرتے ہیں۔ وہ امراءِ حق ہیں جو اللہ ورسول کے حکم پر عمل کرتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ جبکہ ظالم، فاسق اور گناہ گار لوگ امام وحکمران نہیں بن سکتے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ(بقرہ:۱۲۴) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے یہ ہوں یا کوئی اور معصیت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر بن عبداللہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابوالعالیہ

① : اللہ کے اس فرمان پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کو علیحدہ سے نہیں کہا گیا بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ یعنی ضمن میں کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اولی الامر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کے تحت میں کی جائے گی جبکہ رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے جبکہ اولی الامر کی اطاعت رسول ﷺ کی مخالفت میں نہیں کی جاسکتی

رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اولی الامر سے مرد اہل القرآن والعلم والفقہ ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ضحاک کا بھی یہ قول ہے۔مجاہد کہتے ہیں:اس سے مراد علماء وفقہاء ہیں۔**فان تنازعتم** کا مطلب ہے تنازعات کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے پاس لیجایا کرو اولی الامر کے پاس مت لیجایا کرو۔عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ فقہاء ودیندار لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اللہ نے اپنے بندوں پر ان کی اطاعت واجب کردی ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور میمون بن مہران رحمہ اللہ مقاتل اور کلبی سے روایت ہے اولی الامر سے مراد ہے فوجی دستوں کے امیر۔سہل بن عبداللہ کہتے ہیں: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ علماء اور بادشاہ کی تعظیم کرتے رہیں گے جب لوگ ان دونوں کی تعظیم کریں گے اللہ ان کی دنیا وآخرت کی اصلاح کرے گا اور اگر یہ ان دونوں کو حقیر جانیں گے اللہ ان کی دنیا وآخرت برباد کردے گا۔(تفسیر القرطبی:٥/٣٦٢)

معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے حکمران وعلماء دونوں مراد ہیں اس لیے کہ حکمران فوج کے امور اور دشمن سے جنگ کرنے کی تدابیر کرتے ہیں جبکہ علماء شریعت کا تحفظ کرتے ہیں اور حلال وحرام جائز وناجائز کے بارے میں بتاتے ہیں اس لیے اللہ نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے عادل حکمرانوں اور علماء کی بات ماننے کا حکم دیا ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اولی الامر سے مراد ائمہ وبادشاہ اور قاضی ہیں اور ہر وہ عہدے دار جس کے پاس شرعی عہدہ ہو طاغوتی نہ ہو۔(فتح القدیر:١/٤٨)

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت ہر حال میں کی جائے گی جبکہ اولی الامر میں سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کی اطاعت کی جائے اور ایسے بھی ہوں گے جن کی اطاعت نہ کی جائے (**فان تنازعتم**)میں یہ بتایا گیا ہے کہ حکمران اگر حق نہیں جانتے تو ان کی اطاعت مت کرو اور جس میں تم باہم اختلاف کرو اسے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف لوٹا

دو۔(فتح الباری:۱۱۲/۱۳)

❁ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے اگر معصیت کا حکم کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنی ہے۔(بخاری۔مسلم۔احمد)

❁ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مرفوعاً روایت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔امام ڈھال ہوتا ہے جس کی آڑ لے کر قتال کیا جاتا ہے اگر امیر تقوی اور عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے تو اس کے لیے اجر ہے اگر ایسا نہیں کرتا تو اس کے لیے وبال ہے۔(بخاری۔مسلم۔احمد۔نسائی)

اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر وہ امیر مراد ہے جو آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق امیر بنا ہو۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے میرے امیر کی اطاعت کی ایک روایت میں الامیر ہے دونوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ امیر جو حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہو تو وہ شارع علیہ السلام کا امیر ہے اس لیے کہ وہ شریعت کا ذمہ دار ہے ۔اس حدیث سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ وہ معصیت کا حکم نہ کریں امیر کی اطاعت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ افتراق وفساد نہ ہو۔(فتح الباری:۱۱۲/۱۳)

❁ آپ ﷺ کا فرمان ہے سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر ایک حبشی غلام کو ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے۔(بخاری۔ترمذی۔نسائی۔ابن ماجہ۔احمد۔طبرانی)

یعنی عامل ،شہر کا امیر، ملک کا امیر، یا نماز کا امام ،خراج وصول کرنے کا امیر یا جنگ کا امیر بنا دیا

جائے ۔خلفاء کے زمانے میں بعض لوگوں کے پاس تینوں عہدے بیک وقت ہوتے تھے ۔(جنگ ۔امامت نماز اورخلافت عامہ)یا بعض عہدے کسی اور کے پاس کچھ کسی اور کے پاس ہوتے تھے ۔ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ سنوں اور اطاعت کروں اگر چہ کسی حبشی غلام کوامیر بنالیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں ۔(ابن ماجہ۔حاکم۔بھیقی)

یحییٰ بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے)اگر چہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کررہا ہو۔(احمد۔ابوعوانہ۔طبرانی)

ایک روایت میں لفظ ہے اگر چہ اس کا سر کشمش کی طرح ہو علماء کہتے ہیں اس کا معنی ہے سر چھوٹا ہو جیسا کہ عام طور پر حبشیوں میں ہوتا ہے بعض نے کہا کہ کالے رنگ کی وجہ سے کہا ہے کسی نے کہا کہ چھوٹے اور گھنگریالے بالوں کی وجہ سے کہا ہے ۔اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ظالم بادشاہوں کے خلاف بھی بغاوت نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس میں ان کی برائیوں کی بنسبت زیادہ بڑا نقصان ہے ۔(فتح الباری:۱۲۲/۱۳)

❁ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تمہیں تین چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور تین سے منع کرتا ہوں حکم یہ کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ شریک نہ کرو ۔اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو تفرقہ میں مبتلا نہ ہو ۔سنو اور اطاعت کرو اللہ جس کو تمہارے امور کا ذمہ دار بنائے ۔(ابن حبان)

❁ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور ان پر ایک انصاری کو امیر بنایا انہیں اس کی اطاعت کا حکم دیا ۔اس امیر کو (کسی وجہ سے)غصہ آیا اس نے کہا کیا نبی

ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ امیر نے کہا لکڑیاں جمع کرواور اس میں آگ لگاؤ انہوں نے ایسا کرلیا۔ امیر نے کہا آگ میں کود جاؤ۔ ان لوگوں نے ارادہ کرلیا مگر پھر ایک دوسرے کو روکنے لگے یہ کہہ کر نبی ﷺ کے پاس ہمارے آنے اور ایمان لانے کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ ہم آگ سے محفوظ ہو جائیں وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ آگ بجھ گئی امیر کا غصہ بھی رفع ہو گیا تھا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ لوگ آگ میں کود جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے اطاعت صرف معروف میں ہے۔ (بخاری۔مسلم۔احمد۔ابوعوانہ۔ابویعلیٰ۔بھیقی۔ابن ابی شیبہ)

۞ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا ہے چاہے پسند کرے یا نہ کرے جب تک کہ معصیت کا حکم اسے نہ دیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ہے۔

۞ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر تنگی، آسانی، خوشی اور ناخوشی اور تم پر ترجیح دینے کے باوجود سننا اور اطاعت کرنا ہے۔ (مسلم۔نسائی۔ترمذی۔احمد)

۞ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر پسند و ناپسند میں اطاعت ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ہے۔ (بخاری۔مسلم۔نسائی۔ترمذی)

۞ جنادہ بن ابی امیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کی عیادت کرنے گئے ہم نے کہا اللہ آپ کو صحت دے ہمیں رسول ﷺ کی کوئی حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول ﷺ نے بلایا اور ہم سے بیعت لی سننے اور اطاعت کرنے پر خوشی و ناخوشی میں تنگی و آسانی میں اور ہم پر ترجیح کے باوجود اور یہ کہ ہم حکمرانوں سے تنازعہ نہ کریں الا یہ کہ ظاہر

کفر دیکھ لیں جس کی اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔(بخاری۔مسلم۔احمد ۔ابن حبان)

ایک روایت میں ہے اور یہ کہ ہم حق کا ساتھ دیں جہاں بھی ہوں اس بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں ۔خوشی وناخوشی کا مطلب ہے کہ ہر حال میں اللہ کے حکم کی پیروی کرنی ہے ۔ابن التین کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ (جنگ کے لیے) نکلنے میں سستی ہو یا مشقت ہو۔طیبی کہتے ہیں: ہم نے اس بات پر عہد کیا کہ آسانی وتنگی ۔تکلیف وخوشی ہر حال میں ۔لفظ بایعنا مفاعلہ کا صیغہ ہے جس میں ایک تو مبالغہ ہے دوسرا یہ کہ قیامت میں ان کو ان امور کے بدلے میں شفاعت اور اجر ملے گا۔مسند احمد میں لفظ ہے اگر چہ تم خود کو زیادہ مستحق سمجھتے ہو۔ابن حبان میں ہے اگر چہ یہ حکمران تمہارے مال کھائیں اور تمہاری پیٹھ پر کوڑے ماریں۔یہ کہ ہم حق کا ساتھ دیں جہاں بھی ہوں اس میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کریں یعنی کسی بات کا خوف نہ کریں اس میں اس بات کی ترغیب یا حکم ہے کہ منکر کو ختم کرنا ہے اگر صرف ملامت کا اندیشہ ہو اور اس کے علاوہ کسی تکلیف کا نہ ہو تو ہاتھ سے ختم کرے ورنہ زبان سے ورنہ دل سے ۔کفار سے جہاد ہر صورت میں جاری رہنا چاہیے جب تک اللہ کا دین غالب نہ آجائے ۔اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے ۔اسی طرح اس شخص کے خلاف جہاد کرنا چاہیے جو حق سے عناد رکھتا ہے ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے اس لیے کہ اگر جماعت سے ایک بالشت برابر بھی علیحدہ ہوا اور مر گیا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔(بخاری۔مسلم)

❀ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو (اس حال میں) مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔(مسلم۔بھیقی ۔طبرانی)

عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ کہتے ہیں :میں مسجد میں داخل ہوا تو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے لوگ ان کے پاس جمع تھے میں بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا انہوں نے بتایا کہ ہم ایک سفر میں رسول ﷺ کے ساتھ تھے ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا تو کوئی تیر صحیح کرنے لگا کوئی نیزے ۔کہ اتنے میں رسول ﷺ کی طرف سے کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ جمع ہو جاؤ ہم رسول ﷺ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے جو بھی نبی گزرا اس پر لازم تھا کہ جو بھلائی جانتا ہے وہ اپنی امت کو بتائے اور ہر وہ شر جسے وہ جانتا ہے اس سے ان کو خبردار کرے اس امت کے اول لوگوں میں عافیت ہے اور آخر کے لوگ آزمائش میں ہوں گے اور ایسے کام کریں گے جو تمہیں ناپسند ہیں ایک کے بعد ایک فتنے آئیں گے مؤمن کہے گا یہ میری بربادی ہے پھر وہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو مومن کہے گا یہ اچھا وقت ہے ۔جو شخص جہنم سے آزادی اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کو موت ایمان کی حالت میں آنی چاہیے اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے جو خود اپنے ساتھ ہونا پسند کرتا ہے جس نے امام کی بیعت کی اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا تو حسب استطاعت اس کی اطاعت کرے اگر دوسرا کوئی امام آ کر اس سے لڑے یا حکومت چھیننے کی کوشش کرے تو اس کی گردن ماردو۔میں ان کے قریب ہو گیا اور کہا کہ اللہ کی قسم کھا کر بتاؤ یہ تم نے رسول ﷺ سے سنا ہے؟اس نے کہا میرے کانوں نے سنا ہے اور دل نے یاد رکھا ہے میں نے کہا یہ تمہارا چچازاد معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنا مال آپس میں باطل طریقے سے کھائیں ایک دوسرے کو قتل کریں جبکہ اللہ کا فرمان ہے کہ :ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ الا یہ کہ باہمی تجارت ہو اور ایک دوسرے کو قتل مت کرو اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔وہ خاموش رہے پھر کہا ان کی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت میں اور اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت مت کرو۔(مسلم۔نسائی۔بہیقی)

۞ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: فرمایا تمہارے بہترین امام وہ ہیں جنہیں تم پسند کرو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں وہ تمہارے لیے اور تم ان کے لیے دعائیں کرو ۔تمہارے بدترین امام وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو وہ تمہیں ناپسند کریں تم ان پر لعنت کرو وہ تم پر لعنت کریں ۔کسی نے پوچھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ۔جب تک وہ نمازیں قائم کرتے رہیں اگر تم ان میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھو تو اس کے عمل سے نفرت کرو مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو۔(مسلم۔نسائی)

یہ اس بات کی مشروعیت پر دلیل ہے کہ امام سے محبت کی جائے اس کے لیے دعا کی جاتی رہے ۔جو امام اپنے عوام کے لیے دعا کرتا ہے ان سے محبت کرتا ہے ان کی دعائیں لیتا ہے وہ بہترین امام ہے اور جو اپنے عوام سے اور عوام اس سے نفرت کریں ایک دوسرے کے لیے بددعائیں کریں یہ بدترین امام ہیں اس لیے کہ جو امام عدل قائم کرتا ہے وہ قابل تعریف ہے جو ظلم کرتا ہے وہ عوام کی طرف سے مذمت اور گالیوں کا مستحق ہے بدترین امام ہے۔

۲۔دوسری ذمہ داری: اماموں کے (کاموں) پر صبر کرنا اگرچہ وہ عوام کے بعض حقوق روک لے۔

۞ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امیر کی کسی بات یا عمل کو ناپسند کرے تو اسے صبر کرنا چاہیے اس لیے کہ جو امیر کی اطاعت سے ایک بالشت برابر نکل گیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔(بخاری۔مسلم۔احمد)

۞ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایسے کام ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے ۔لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسول اگر ہم میں سے کسی کو اس وقت سے واسطہ پڑ جائے تو آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر جو حق ہے وہ ادا کرو اور

اپنا حق اللہ سے مانگو۔(بخاری۔مسلم۔نسائی۔ابن حبان۔طبرانی)

ایسے حالات میں کہ حکمران عوام کے حقوق ادا نہ کرتے ہوں نبی ﷺ کا پھر بھی سمع واطاعت کا حکم شاید اس لیے ہو کہ دو نقصانوں میں سے کم نقصان کو اپنایا جائے۔اس لیے کہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنا بڑا نقصان ہے کہ اس میں اختلاف وتفرقہ پیدا ہوتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث میں مذکور جس ترجیح دیئے جانے کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقی ترجیح نہیں ہے۔یہاں نبی ﷺ نے اطاعت کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ بغاوت کے تمام ذرائع بند ہو جائیں اور امیر کی نافرمانی سے امت کو ضعف نہ پہنچے اور صرف خیالات یا بدظنی کی وجہ سے لوگ بغاوت نہ کریں ۔جیسا کہ بخاری میں ہے ایک آدمی نے رسول ﷺ سے کہا کہ آپ نے فلاں کو سرکاری کام پر لگا دیا مجھے نہیں لگایا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تم صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے (قیامت میں) ملاقات کرلو۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں :اس جواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عہدے طلب نہیں کرنے چاہیے اور آپ ﷺ نے یہ جو کہا کہ میرے بعد ترجیح دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تم پر ترجیح نہیں دی یہ کام میرے بعد ہوں گے میرے دور میں نہیں ہوں گے میں نے ترجیح نہیں دی بلکہ مسلمانوں کی مصلحت دیکھی ہے۔جبکہ دنیاوی مفادات حاصل کرنے والے میرے بعد آئیں گے اس وقت صبر کرنا۔(فتح الباری:۱۳/۸)

۞ **علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں :سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ یہ بتائیں کہ اگر ہم پر ایسے امیر مقرر ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمیں ہمارا حق نہ دیں ایسے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے منہ پھیر لیا ۔اس نے پھر پوچھا دوسری بار پھر تیسری بار پوچھا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس کو کھینچ لیا۔آپ**

ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو تم پر تمہاری اور ان پر ان کی ذمہ داری ہے۔

(بخاری ۔مسلم۔نسائی)

✿ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: تم پر ایسے امیر مقرر ہوں گے جن کے کچھ کام تمہیں اچھے لگیں گے کچھ برے جس نے برا سمجھا یا نفرت کی وہ بری ہو گیا جس نے اعتراض کیا وہ سلامت رہا لیکن جو راضی رہا اور تابعداری کرتا رہا۔لوگوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نمازیں پڑھتے رہیں۔(مسلم۔ابو داؤد)

سمع واطاعت کی قیود

جن احادیث میں امیر کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے ان میں سمع واطاعت کے لیے دو قیود کا ذکر ہے۔

۱۔ امیر کی طرف سے معصیت اور مامور کی استطاعت:

امیر کی معصیت سے متعلق ہم نے دلائل دیئے ہیں کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے ۔مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت رسول ﷺ کا فرمان ہے مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا ہے پسند و ناپسند میں اگر معصیت کا حکم اسے دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا ہے معصیت میں امیر کی اطاعت نہیں ہے مگر بغاوت وخروج بھی نہیں بلکہ صبر کرنا ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا ہے۔سابقہ احادیث میں تطبیق کا صحیح طریقہ یہ ہے۔جس نے امیر میں ناپسندیدہ بات دیکھی تو صبر کرنا چاہیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ کی بیعت اس بات پر کہ حق بات کہو ملامت کا خوف مت کرو۔یہ اس وقت ہے جب کہ امیر سے کھلا کفر ظاہر نہ ہو۔اللہ کے فرمان کا بھی یہی مقصد ہے کہ اچھے کاموں پر تعاون کرو اور غلط اور گناہ کے کاموں پر تعاون مت کرو ۔مامور کی

استطاعت سے مراد ہے کہ امیر کی اطاعت اپنے استطاعت کے مطابق کرنی ہے۔تمام احکام شریعت کا مدار استطاعت پر ہے جس کام کی استطاعت انسان میں نہ ہو شریعت اس کی ادائیگی کا حکم نہیں دیتی **لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** (بقرہ:۲۸۶)۔اللہ طاقت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا ہے۔اللہ کا فرمان ہے: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** (تغابن:۱۶)۔اللہ سے ڈرو جتنی استطاعت ہو۔نبی ﷺ کا فرمان ہے: میں تمہیں جو حکم دوں اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو۔(بخاری۔مسلم۔احمد)

استطاعت کے ہونے اور نہ ہونے کا علم اللہ کو ہے اگر ایک شخص عدم استطاعت کا بہانہ کرتا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں ہے تو اللہ اس کا حساب کرے گا اور سزاء دے گا۔اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے رسول ﷺ کی بیعت کی سننے اطاعت کرنے پر جتنی استطاعت ہو(بخاری۔ترمذی۔نسائی)۔جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے رسول ﷺ کی بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے پر کہ جتنی میری استطاعت ہو اور یہ کہا کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرو(بخاری۔مسلم۔احمد)۔

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو لکھا کہ عبدالملک بن مروان امیر المومنین کے لیے سنت اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر جہاں تک جہاں تک میری استطاعت ہو گی میرے بیٹے بھی یہ اقرار کرتے ہیں۔(بخاری۔بہیقی ادب المفرد)

جو امراء عوام کے حقوق نہیں دیتے اس کے باوجود نبی ﷺ کا ان کا ساتھ دینے اور بغاوت نہ کرنے کا حکم شاید اس لیے ہے کہ دو ضرورتوں میں سے کم کو اپنایا جائے کہ بغاوت سے مسلمانوں میں مزید افتراق و اختلاف پیدا ہو گا جیسا کہ اسید بن حضیر کی روایت گزر چکی ہے جس میں آپ

ﷺ نے فرمایا کہ ترجیح دینے کا کام اور دنیاوی مفادات کے لیے عہدوں کی بندر بانٹ میرے بعد ہوگی جب کہ میں جو عہدہ دیتا ہوں تو یہ مسلمانوں کی مجموعی مصلحت کے مدنظر دیتا ہوں یہ برا کام میرے بعد ہوگا اس وقت صبر کرنا۔(فتح الباری: ٨/٣١)

سمع واطاعت کوواجب کرنے والے دلائل کا خلاصہ

اطاعت واجب ہے خوشی وناخوشی میں تنگی وآسانی میں بلکہ اصل اطاعت تو وہ ہے جو ناخوشی وتنگی میں کی جائے کہ نفس پرگراں گزرے مگرانسان کرتا رہے۔اس لیے کہ آسانی اورخوشی میں تو ہرکوئی اطاعت کرتا ہے مشکل وسختی میں اطاعت کرنے والے سچے ہوتے ہیں مومن ومنافق میں فیصلہ ہی اس طرح ہوسکتا ہے کہ منافق اکثر آسانی میں اطاعت کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

لَوۡ کَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوۡکَ وَ لٰکِنۡ بَعُدَتۡ عَلَیۡہِمُ الشُّقَّۃُ وَ سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَکُمۡ یُہۡلِکُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ(توبة:٤٢)

اگر دنیاوی مقصد ہوتا یا سفر کم ہوتا تو یہ لوگ آپ (ﷺ) کی اتباع کرتے لیکن دور کا سفر ان کے لیے مشکل ہوا اور یہ قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ یہ خود کو ہلاک کرتے ہیں اللہ جانتا ہے یہ جھوٹے ہیں۔

منافق لوگ آسانی میں اتباع کرتے ہیں (اور مشکل میں نہیں کرتے) پھر اطاعت سے نکلنے کے لیے بہانے تراشتے ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِہِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ وَ کَرِہُوۡۤا اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ قَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ

جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ(توبة:٨١)

رسول ﷺ سے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں اپنے مالوں اور جانوروں کے ساتھ فی سبیل اللہ جہاد کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں گرمی میں مت جاؤان سے کہد وجہنم کی گرمی زیادہ سخت ہے کاش کہ یہ سمجھتے۔

جوشخص آسانی میں اطاعت کرتا ہے اور مشکل وقت میں اطاعت ترک کردیتا ہے اس میں نفاق ہے۔

امراءِفوج کی اطاعت کی چندمثالیں

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے عمروبن العاص رضی اللہ عنہ کو قضاعہ کی زکاۃ وصول کرنے کا عامل بنایا تھا اور ولید بن عقبہ بھی ان کے ساتھ تھے تو ان کو خط لکھا کہ تم بھی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوجاؤ میں نے تمہیں اس کام پر لگایا تھا جس پر تمہیں نبی ﷺ نے مقرر کیا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس سے بہتر کام پر لگادوں جو تمہارے لیے دنیا وآخرت دونوں میں مفید ہو۔الّا یہ کہ اگر تمہیں وہی کام پسند ہو جو کررہے ہو؟ عمروبن العاص رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور تیر انداز بھی ہیں اور تیروں کو جمع کرنے والے بھی آپ سخت اور بہتر تیر کا انتخاب کریں اور اسے چلائیں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی خط (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے لکھا اس نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔(الاکتفاء:٣/١٤١۔بدایة والنھایة:٧/٢-٣)

جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کمانڈر کے عہدے سے معزول کردیا اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اس نے خالد رضی اللہ عنہ کی پگڑی لے لی اور اس کا مال دوحصوں میں تقسیم کردیا یہاں تک کہ ایک جوتا لے لیا ایک چھوڑ دیا خالد رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے

امیرالمومنین کی بات سننی اوراطاعت کرنی ہے۔(البداية والنهاية:۷/۱۸-۱۹)

سمع واطاعت حق ہے اگرچہ امیر بعض شرعی خطاؤں کا مرتکب ہواس کی اطاعت اللہ کی اطاعت میں کرنی ہے البتہ اس کی خطاؤں میں اس کی پیروی نہیں اس کو امر بالمعروف کرنا ہے برائیوں سے روکنا ہے مگر شرعی آداب میں رہ کر۔امیر کی شرعی خطائیں بغاوت کا جواز نہیں بنتیں اس لیے کہ ہرانسان خطا کار ہے ایسا کوئی نہیں جس نے کوئی غلطی نہ کی ہواور ساری ہی نیکیاں کرتا ہو۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ اطاعت کے کاموں میں اطاعت کرنی ہے اور معصیت میں نہیں کرنی ۔رسول ﷺ کے عہد میں بھی بعض امراء سے اس طرح کی غلطیاں ہوئی تھیں جیسے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب اپنی فوج کو بنی جذیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کیا ان کے ساتھ کچھ اورلوگوں نے بھی ایسا کیا۔جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے دومرتبہ کہا کہ اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے لاتعلق ہوں(بخاری۔احمد۔نسائی) ۔مگراس کے باوجود رسول ﷺ نے انہیں معزول نہیں کیا اور ہمیشہ انہیں جنگوں میں ذمہ داریاں دیتے رہے اور جنگ موتہ میں جب تین امیر شہید ہو گئے تھے تو امارت خالد کو ہی دی گئی تھی ۔اطاعت واجب ہے اگرچہ امیر بعض لوگوں کے حقوق نہ دے یا کسی معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح دے ۔سمع واطاعت حق ہے اگرچہ امیر حسب نسب کے لحاظ سے کمتر ہو یا بدصورت ہو یا کم عمر ہو جب تک وہ امارت کو شرعی طریقے پر چلا رہا ہواوراپنے امیر اعلیٰ کے تحت ہواس کی اتباع میں ہو۔

امیر کی اطاعت کن امور میں کی جائے گی؟

امیر کی اطاعت اجتہادی امور میں کی جائے گی جیسے نماز قصر یا پوری جمع بین الصلاتین کرنی ہے یانہیں؟اگرامیر فقہ میں دسترس نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ بہتر سے بہتر علماء سے رابطہ کرے امیر کی اطاعت کی دلیل یہ آیت ہے: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی

اُولِی الْاَمْرِ (نساء:۵۹) ۔ابن ابی العز رحمہ اللہ شرح عقیدہ الطحاویہ میں لکھتے ہیں: کتاب وسنت کے نصوص اوراجماع سلف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ہے نماز کا امام، حاکم اور فوجی کمانڈر اور زکاۃ کا عامل، ان کی اطاعت اجتہاد کے مقامات پر کی جائے گی امیر کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اجتہاد کے مقامات پر لوگوں کی اتباع کرے بلکہ لوگوں پر اس کی اطاعت لازمی ہے اپنی رائے کو اس کی رائے کے سامنے ترک کرنا ہے اس لیے کہ جماعت بندی اور باہم متفق ومتحد رہنے افتراق سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے۔(شرح العقیدہ الواسطیہ :۴۲۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی ایسا تھا پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑھیں ابن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے ساتھ ہوتے تو چار پڑھتے اور جب اکیلے ہوتے دو رکعت پڑھتے ۔(بخاری۔مسلم۔نسائی)

بخاری مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعت پڑھائیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا تو انہوں نے انا للہ پڑھی اور پھر کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں کاش کہ چار رکعت قبول ہوں اور میرا اس میں حصہ ہو۔(بخاری۔مسلم)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انا للہ پڑھی اس لیے کہ ان کے سامنے خلاف اولیٰ ہوا تھا۔ابوداؤد میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چار رکعت پڑھی تو کسی نے کہا آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور پھر خود چار رکعت پڑلیں؟ انہوں نے کہا اختلاف شر ہے۔بیہقی کے الفاظ ہیں میں مخالفت پسند نہیں کرتا۔(فتح الباری:۲/۴۶۵)

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کام میں عثمان رضی اللہ عنہ کی متابعت کی جو ان کے نزدیک افضل نہیں تھا

مفضول تھا یعنی منیٰ میں نماز مکمل پڑھنا اور افضل یعنی قصر ترک کیا اختلاف کا راستہ بند کرنے کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ نماز مکمل پڑھنے کے لیے تاویل کرتے تھے۔امیر کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ مباح کام ان کے حوالے کیے جائیں اور وہ کام جو قتال کے فنی معاملات سے متعلق ہوں تا کہ اختلافِ آراء سے بچا جا سکے۔اللہ کا فرمان ہے۔

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ(نساء:۸۳)

اگر یہ اس کو لوٹاتے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی طرف تو وہ لوگ جو استنباط کر سکتے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے۔

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ ذات السلاسل میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے لوگوں کو آگ جلانے سے منع کیا تین مرتبہ۔لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کی کہ آپ ہماری بات آگے پہنچائیں۔انہوں نے بات کی مگر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کو بھیجا ہے مگر میں منع کرتا ہوں اور اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اس آگ میں ڈال دوں گا۔پھر دشمن کا سامنا ہوا اور انہوں نے دشمن کو شکست دی۔جب واپس آئے ،رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیلات کے ساتھ یہ شکایت بھی کر دی (کہ امیر نے ہمیں آگ جلانے سے منع کیا تھا)عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ کم تھے میں ان کو دشمن کا پیچھا کرنے سے منع کیا اور آگ جلانے سے اس لیے منع کیا کہ کہیں روشن کی وجہ سے دشمن دیکھ نہ لے کہ یہ کم تعداد میں ہیں تو وہ دلیر ہو جائیں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی تعریف کی۔(بخاری۔مسلم۔ابوداؤد)

امیر کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ امیر نے جس کام کی ذمہ داری دی ہے وہ اسے بجالاتا

رہے اور امیر کی اجازت کے بغیر اپنا کام تبدیل نہ کرے نہ ہی بغیر اجازت کوئی دوسرا کام اپنائے ۔اللہ کا فرمان ہے: مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو اجازت کے بغیر نہیں جاتے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر لوگوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے اور دشمن کے حال سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا ہے اگر امیر کی اجازت کے بغیر کوئی فوجی کہیں جائے گا تو دشمن کے ہتھے چڑھ سکتا ہے یا فوجی قافلے سے بھٹک سکتا ہے۔(المغنی لابن قدامه:۹/۱۷٦)

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی جو شکست ہوئی تھی وہ کچھ تیراندازوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے ہوئی تھی جو امام (رسول ﷺ) کی اجازت کے بغیر چلے گئے تھے، حالانکہ آپ ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں پھر بھی تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا جب تک میں نہ کہوں ۔اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے تب بھی تم اسی جگہ بیٹھے رہو جب تک میں نہ کہوں ۔مگر جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن بھاگ گیا ہے اور اپنے مورچے چھوڑ چکا ہے تو یہ لوگ غنیمت کی طرف بھاگے دشمن نے یہ دیکھ کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو وقتی شکست ہوئی اس لیے کہ امیر کی اطاعت کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔(احمد وغیرہ)

مسائل شرعیہ سے متعلق حاکم وامیر کا حکم؟

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوگ کسی آیت یا حدیث میں اختلاف کر بیٹھیں یا کسی تاریخی خبر میں اختلاف ہو جائے اور کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کی کوئی دلیل نہ ملے تو حاکم کا حکم نافذ العمل ہوگا امور معینہ میں عامہ میں نہیں ۔نزاعی مسائل میں سلطان پر لازم ہے کہ سب کو یا اس بات پر آمادہ کرے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے متفقہ مذہب سے ثابت ہے: (فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ......) اگر لوگ باہم اختلاف کریں تو ان کی بات کو سمجھے اگر وہ حق ہے تو لوگوں کو کتاب

وسنت کی طرف دعوت دے اور اگر بدعت ظاہرہ ہو جسے لوگ جانتے ہوں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے جیسے خوارج وروافض قدریہ وجہمیہ کی بدعت تو سلطان کو چاہیے کہ اس سے انکار کردے۔اسی طرح اس بات سے بھی انکار کردے جو ترکِ نماز اور شراب وفواحش کو حلال قرار دے اس کے باوجود بھی بعض مقامات اور اوقات میں کچھ جہلا ایسے ہوتے ہیں کہ باتیں کتاب وسنت کو جاننے والوں کی طرح ہوتی ہیں اس لیے ان لوگوں کے امراء بھی مخمصے میں پڑ جاتے ہیں تو ایسے میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ حجت اور اس کی وضاحت کی ضرورت پڑتی ہے البتہ امام کے لیے جائز نہیں کہ متنازعہ باتوں میں کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر کسی بات کو اپنائے اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ایسے مسائل کسی حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر کسی دلیل کے ایک بات کو اپنائے اور ایک کو ترک کرے الا یہ کہ اس کے پاس دلیل ہو جس کی طرف وہ رجوع کرے۔اس کی بات عہدے سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں یکساں ہو۔بہترین امارت اور عہدہ وہ ہے جو حق اور علم پھیلانے کا ذریعہ ہو کہ بغیر اس عہدے کے یہ علم اور حق پھیلانے سے عاجز تھا۔(مجموع الفتاوی:۳/۲۳۹-۲۴۰)

۳۔ تیسری ذمہ داری: امام کے لیے دعا کرنا اس کی عزت اور احترام کرنا شرعی آداب کے مطابق اس کی خیرخواہی کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار وامیر بنے اور وہ میری امت پر شفقت کرے تو بھی اس پر رحم کر اور جو امیر میری امت پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔(مسلم)

فضیل بن عیاض اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیرہ کہتے تھے: اگر ہماری دعا قبول ہوتی تو ہم بھی سلطان کے لیے دعا کرتے۔عبداللہ بن احمد رحمہما اللہ کہتے ہیں: ابوبکر المروزی رحمہ اللہ نے کہا ہے: احمد بن حنبل

رحمہ اللہ نے خلیفہ متوکل کے بارے میں کہا کہ میں اس کی عافیت وخیر کی دعا کرتا ہوں اگر ان کے ساتھ کچھ ہو گیا تو تم دیکھ لو گے کہ اسلام کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام عادل کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ زیاد بن کسیب العدوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ابن عامر کے منبر کے نیچے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا عامر خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ ابو بلال نے کہا ہمارے امیر کو دیکھو فاسقوں والا لباس پہن رکھا ہے۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا خاموش رہو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے جس نے سلطان کی عزت کی اللہ اس کو عزت دے گا جس نے سلطان کی توہین کی اللہ اس کی توہین کرے گا ۔(ترمذی۔ابن خزیمہ۔طبرانی)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے سلطان کی عزت کی اللہ قیامت میں اس کی عزت کرے گا۔(احمد۔ترمذی)

ابوموسیٰ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عزت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بزرگ مسلمان، قرآن کے عالم اور عادل بادشاہ کی عزت کی جائے۔(ابو داؤد۔بھیقی)

سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک علماء اور بادشاہ کی عزت کرتے رہیں گے جب ان دونوں کی عزت کرتے رہیں گے تو اللہ ان کی دنیا اور دین کی اصلاح کرتا رہے گا جب ان دونوں کی عزت نہیں کریں گے اللہ ان کا دین و دنیا خراب کر دے گا۔(تفسیر قرطبی:٥/٣٦٢)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر ایسے امیر مقرر ہو جائیں گے جنہیں جانو گے کسی کو نہ جانو گے جس نے نفرت کی وہ بری ہوا جس نے انکار کیا وہ سالم رہا اور جو راضی ہوا اور تابعداری کی۔ پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جب تک وہ

نماز پڑھتے رہیں۔(مسلم)

یعنی جس نے دل سے برا جانا اور انکار کیا۔اسی لیے ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے۔اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے قدیم اہلسنت صحابہ سعد بن ابی وقاص۔اسامہ بن زید۔ابن عمر۔محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں:فرض دلی طور پر صرف۔زبان سے تب ہے اگر استطاعت ہو جبکہ ابوبکر بن کیسان اور روافض کہتے ہیں تلوار سے ہے اگرچہ سب مارے جائیں البتہ یہ اب تک ہوا نہیں جب تک کہ طاقتور نہ آجائے جب نکل آئے گا تو پھر تلواریں نکالی جائیں گی ورنہ نہیں۔اس بارے میں اہلسنت نے عثمان ودیگر مذکورۃ الصدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کی ہے البتہ اس قول کے قائلین اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ اس وقت تک ہے جب عادل نہ ہو اگر امام عادل ہو اور فاسق اس کے خلاف کھڑا ہو جائے تو پھر تلواریں امام عادل کی حمایت میں نکالنی ہوں گی۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سوال کرنے والے کو کہا تھا میں نہیں جانتا کہ کون سا گروہ باغی ہے اگر معلوم ہوتا تو مجھ سے پہلے کوئی بھی ان سے لڑنے کے لیے نہ گیا ہوتا۔اہلسنت کا ایک گروہ معتزلہ اور تمام خوارج اور زیدیہ کہتے ہیں:کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے تلواریں نکالنا واجب ہے جب اس کے بغیر یہ کام نہ ہوسکتا ہو۔جب اہل حق کو اپنی کامیابی کا یقین ہو تو تلواریں نکالنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔اور اگر تعداد میں کم اور کمزور ہوں اور ہاتھوں سے برائی روک نہ سکتے ہوں تو تب (نہ نکالیں) یہ علی اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور ام المومنین عائشہ۔طلحہ اور زبیر اور ساتھیوں کا قول ہے اور معاویہ،عمرو،نعمان بن بشیر اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول بھی ہے۔عبداللہ بن زبیر۔محمد۔حسن بن علی ودیگر مہاجر وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے جو یوم الحرہ

قائم رہے تھے۔ان صحابہ کا بھی قول ہے جو حجاج کے مقابلہ پر تھے جیسے انس بن مالک اور دیگر جن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہم نے ذکر کیا اور تابعین جیسے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔سعید بن جبیر۔ابن البختر ی الطائی۔عطاء السلمی الازدی ،حسن بصری۔مالک بن دینار۔مسلم بن بشار۔ابوالھوراء۔شعبی ۔عبداللہ بن غالب۔عقبہ بن عبدالغافر۔عقبہ بن صہبان۔ماھان۔مطرف بن المغیر ہ بن شعبہ۔ابی المعد۔حنظلہ بن عبداللہ۔ابی سح الھنائی۔۔طلق بن حبیب۔مطرف بن عبداللہ بن السخیر ،نصر بن انس۔عطاء بن السائب۔ابراھیم بن یزید التیمی۔ابوالحوساء۔جبلہ بن زحر وغیرہ رحمہم اللہ۔ان کے بعد تابعین میں سے جیسے :عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر۔عبداللہ بن عمر۔محمد بن عجلان۔اور محمد بن عبداللہ بن الحسن اور ہاشم بن بشیر۔مطر کے ساتھی اور ابراھیم بن عبداللہ کے ساتھی۔فقہاء میں سے یہی قول ابوحنیفہ،حسن بن حیی۔شریک۔مالک۔شافعی۔داوٗد وغیرہ رحمہم اللہ۔ہم نے قدیم وجدید افراد کی رائے نقل کی ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے منکر کے خلاف فتوے دیئے اور کچھ ایسے ہیں جو باقاعدہ تلواریں لیکر منکر کے خلاف نکلے تھے ۔ابومحمد کہتے ہیں:مذکورہ گروہ نے پہلے احادیث سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے رسول کیا ہم ان سے جنگ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں جب تک وہ نمازیں پڑھتے رہیں۔یا یہ کہ جب تک تم ظاہر اور صریح کفر نہ دیکھ لو،یا وہ حدیثیں جن میں صبر کو واجب کیا گیا ہے یا وہ کہ جس میں کہا گیا ہے مقتول بن جاوٗ قاتل نہ بنو۔(طبرانی)

اللہ کا فرمان ہے کہ آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ انہیں سنادو جب دونوں نے قربانی کی ایک کی قبول ہوئی دوسرے کی نہیں ہوئی۔ابومحمد کہتے ہیں:ان سب دلائل میں ان کے کام کی کوئی چیز نہیں ہے ہم نے ان میں سے ایک ایک حدیث کی اچھی طرح تحقیق کی ہے اور اپنی کتاب الاتصال الی فھم معرفۃ الخصال میں اسے لکھا ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کررہے ہیں:

صبر کرنے اور پیٹھ پر مار کھانے کا جو حکم ہے یہ تب ہے جب امام برحق ہو یعنی امام بننے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو ایسے امام کے دور میں صبر کرنا واجب ہے اور اگر ایک شخص صبر نہیں کرے گا تو وہ فاسق اور اللہ کا نافرمان ہے۔ اور اگر امام برحق نہ ہو بلکہ باطل ہو تو رسول ﷺ ایسے امام کے لیے صبر کا حکم نہیں دے سکتے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے۔ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ رسول ﷺ کا کلام اللہ کے کلام کے خلاف نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے اور (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمان ہے: اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ ثابت ہوا کہ جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں: وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے لہٰذا اس میں تعارض وتناقض نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ کسی بھی شخص کا مال ناحق طور پر لینا یا کسی کو ناحق مارنا پیٹنا گناہ اور زیادتی ہے حرام ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے: تمہارا خون، مال اور عزتیں تم پر حرام ہیں (بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ احمد)۔ جب اس میں اختلاف اور شک نہیں کہ کسی مسلمان کا مال ناحق لینا اور اس کو مارنا پیٹنا ظلم ہے اور وہ اس ظلم کو روکنے پر قادر ہو تو کسی بھی ممکن طریقے سے اس ظلم اور گناہ میں تعاون کرنا یہ قرآن کی رو سے حرام ہے۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث اور ابنی آدم کا قصہ بھی دلیل نہیں بن سکتا اس لیے کہ قصہ ابنی آدم الگ شریعت تھی ہماری نہیں تھی اللہ کا فرمان ہے: تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور طریقہ بنایا ہے ①۔ جبکہ صحیح احادیث

---

①: شریعت سے مراد ہے ہم سے پہلے والے قوموں کے لیے نازل شدہ احکام علماء کا اتفاق ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکام ہمارے لیے شریعت اور قابل عمل ہوں گے جب ہماری شریعت میں اسے واجب قرار دیا گیا ہو یا اسے برقرار رکھا ہو یا اسے صحیح کہا ہو اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہم سے پہلے والی وہ شریعتیں ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں جو ہماری شریعت کے مخالف ہو اختلاف علماء کا اس بارے میں ہے کہ سابقہ شریعت کی کسی بات کی نہ ہماری شریعت میں تائید ہے نہ تکذیب اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ ہماری شریعتوں میں اگر اسے غیر معتبر نہ کہا گیا ہو تو ہو معتبر ہے ۔(المستصفی للغزالی: ۱۳۲)

میں ہے کہ جوتم میں سے منکر دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر طاقت نہ ہوتو زبان سے ورنہ دل سے اور یہ کمزور ایمان ہے اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے ۔آپ ﷺ کا فرمان ہے :معصیت میں اطاعت نہیں ہے اطاعت میں اطاعت ہے ۔فرمان ہے: جواپنے مال، دین اور عزت کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے (احمد۔طبرانی)۔فرمان ہے:تم ضرور معروف کا حکم کروگے منکر سے روکو گے ورنہ سب پر اللہ کا عذاب آئے گا ۔ بظاہر احادیث (صبر اور امر بالمعروف وغیرہ) باہم معارض ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کچھ ناسخ اور کچھ منسوخ ہیں یعنی ایک حکم ناسخ دوسرا منسوخ ہے ۔ ناسخ کون سا ہے منسوخ کون سا تو معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں قتال کی نفی ہے وہ منسوخ ہیں اس لیے کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا اوران کو ماننے سے شریعت میں اضافہ لازم آتا ہے کہ شریعت میں قتال کا حکم ہے ۔لہٰذا منسوخ کو لینا اور ناسخ کو ترک کرنا ۔شک کو لینا اور یقین کو چھوڑ دینا محال ہے ۔اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ یہ احادیث یا حکم منسوخ ہوگیا تھا مگراب پھر ناسخ بن گیا تو یہ دعوی باطل ہے یہ کوئی بے علم ہی کرسکتا ہے اللہ پر لاعلمی میں بات کی ہے جو جائز نہیں ہے۔اگر ایسا ہوتا تو اللہ اس کو بغیر دلیل و برہان کے نہ چھوڑتا اس لیے کہ قرآن تبیان لکل شیئ ہے۔دوسری دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے :اگر مومنوں میں سے دوگروہ باہم قتال کریں تو تم ان میں صلح کردیا کرو اگرایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس کے ساتھ قتال کرو جب تک وہ باز نہ آئے ۔کسی مسلمان نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا ہے کہ فرقہ باغیہ سے قتال کا حکم دینے والی یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے یہ آیت مذکورہ احادیث کا فیصلہ کررہی ہے جو حدیثیں اس آیت کے موافق ہیں وہ ناسخ اور جو مخالف ہیں وہ منسوخ ہیں ۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اوراس کے موافق مذکورہ احادیث چوروں کے بارے میں سلطان کے بارے میں نہیں ہیں ۔ یہ بات بھی غلط اور باطل ہے اس لیے کہ بغیر دلیل کے کہی گئی ہے یہ

دعوی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احادیث ایک گروہ کے بارے میں ہیں دوسرے کے بارے میں نہیں ہیں یا ایک دوسرے کے لیے ہیں دوسرے کے لیے نہیں ہے۔ایک شخص نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی مجھ سے ناحق میرا مال مانگ رہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسے نہ دو۔اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے لڑو۔اس نے کہا اگر وہ میرے ہاتھوں مارا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔اس نے کہا اگر میں مارا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں جاؤ گے۔(بخاری۔مسلم۔ترمذی۔الفاظ کچھ اور ہیں)

ایک اور حدیث میں ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کا مال نہیں چھینتا اس پر ظلم نہیں کرتا۔ایک حدیث میں ہے جس نے (زکاۃ) صحیح طریقے سے مانگی اسے دیدو اور جو صحیح طریقے سے نہ مانگے اسے نہ دو۔(بخاری)۔یہ حدیث صحیح ہے ثقات سے ثابت ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں یہ احادیث ان لوگوں کی اس تاویل کو باطل ثابت کرتی ہیں کہ یہ صرف چوروں سے متعلق ہیں اس لیے کہ چور زکاۃ نہیں مانگتے یہ سلطان کا کام ہے اس لیے فرمایا اگر غلط طریقے سے زکاۃ وصول کرے (ناحق وغیر شرعی)۔اگر اہل حق متفق ہوجائیں تو اہل باطل ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔جولوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کرتے ہیں تو اس میں محاصرہ ہے قتل کا نہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ قتال امام عادل کے جائز نہیں ہے اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کی مثال نہیں دی جاسکتی۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خروج وبغاوت کریں گے تو خون خرابہ ہوگا۔عزتیں پامال ہوں گی انتشار پھیل جائے گا۔یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والا کبھی عزتیں پامال نہیں کرتا نہ ہی کسی کا مال ناحق لیتا ہے نہ اس شخص کو کچھ کہتا ہے جو اس کے ساتھ نہیں لڑتا اگر اس نے ایسا کچھ کیا تو اس کے خلاف بھی خروج وبغاوت اور حملہ ہوگا۔اگر مراد یہ ہے منکرات کرنے والے یہ کام کریں گے تو اس لیے تو ان کے خلاف

کاروائی کرنی ہے ان خرابیوں کو ہی تو تبدیل کرنا ہے۔اگر یہ باتیں بغاوت کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو پھر یہ باتیں جہاد کی راہ میں بھی رکاوٹ ہوں گی؟ حالانکہ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہتا اگر یہی سوچ لیں کہ جہاد کریں گے تو نصاری مسلمان عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیں گے ان کا مال اور ان کی جانیں تلف کردیں گے ان کی عزتیں پامال کرلیں گے۔اس کے باوجود مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جہاد واجب ہے۔ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں جہاد ہیں اور قرآن وسنت کی طرف دعوت ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس حکمران کے بارے میں کیا کہو گے جس نے اپنے اختیارات نصاری کے حوالے کردیئے ہیں نصاری ہی اس کے ساتھی اور فوج ہیں اور مسلمانوں پر جزیہ لگادیا ہے مسلمان بچوں پر تلواریں نکال لی ہیں مسلم عورتوں سے زنا کو جائز کردیا ہے۔جو بھی مسلمان مرد،عورت اور بچہ انہیں نظر آتا ہے اس کو مارتے ہیں جبکہ یہ حکمران خاموش تماشائی ہے اس کے باوجود خود کو مسلمان کہتا ہے نماز پڑھتا ہے؟اگر یہ کہتے ہیں کہ اس حکمران کے خلاف خروج پھر بھی جائز نہیں ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس طرح تو یہ تمام مسلمانوں کو ختم کردے گا اور اکیلا ہی رہ جائے گا اور اس کے ساتھی کافر رہ جائیں گے؟اگر یہ لوگ اس صورت میں بھی صبر کو جائز کہتے ہیں تو یہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اس سے خارج ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس حکمران کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے تو ہم کہیں گے کہ اگر نوے فی صد مسلمان مارے جاتے ہیں ان کی عورتیں پکڑ لی جاتی ہیں ان کا مال لوٹا جاتا ہے تو؟اگر یہ خروج سے پھر بھی منع کرتے ہیں تو اپنی بات کی مخالفت کرتے ہیں اور اگر خروج کو واجب کرتے ہیں تو ہم ان سے مزید کم کے بارے میں سوال کریں گے یہاں تک کہ ہم ان سے پوچھیں گے کہ ایک مسلمان مارا جائے اور ایک مسلمان عورت پکڑ لی جائے یا ایک آدمی کا مال زبردستی لیا جائے تو؟اگر یہ فرق کرتے ہیں تو ان کی بات میں تضاد ہے اور یہ بات

ان کی بلا دلیل ہے جو جائز نہیں اور اگر یہ خروج کو لازم قرار دیتے ہیں تو تب یہ حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر ایک ظالم حکمران کسی شخص کی بیوی بیٹی اور بیٹے کو زبردستی اپنے قبضے میں لے کر ان سے غلط اور فسق کے کام کروانا چاہے تو کیا ایسے آدمی کو صرف اپنی جان بچانی چاہیے تو یہ ایسی بات ہے جو کوئی مسلمان نہیں کرسکتا اور اگر یہ کہتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بچانے کے لیے لڑنا چاہیے تو یہ ہے حق اور صحیح بات اس طرح دیگر مسلمانوں کے مال وجان کے تحفظ کے لیے بھی حکمرانوں کے مقابلے پر آنا چاہیے۔ابو محمد کہتے ہیں :اگر معمولی سا بھی ظلم ہو تو امام سے اس بارے میں بات کرنا واجب ہے اور اسے روکنا چاہیے اگر وہ رک جاتا ہے اور حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور زنا چوری وغیرہ کے حدود کے تیار ہوتا ہے تو اس کی اطاعت سے نکلنا نہیں چاہیے اور اگر ان واجبات کے نفاذ سے انکار کرتا ہے تو اس کو ہٹا کر کسی اور کو اس کی جگہ امام مقرر کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:اور تعاون کرو نیکی اور تقوی پر اور گناہ وزیادتی پر تعاون مت کرو۔شریعت کے واجبات میں سے کسی کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔(الملل والاھواء والنحل لابن حزم :٤/١٣٢-١٣٥)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:جب امام کا تقرر ہو جائے اور اس کے بعد وہ فسق کرے تو جمہور کہتے ہیں اس کی امامت فسخ ہو جائے گی اس کو ہٹا کر کسی اور کو امام بنایا جائے گا اگر اس نے فسق ظاہری اور معلوم کا ارتکاب کیا ہو۔اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام کا تقرر مقصد کے لیے ہوتا ہے حدود کا نفاذ اور حقوق کی ادائیگی وتحفظ یتامی کے مال کی حفاظت مجرموں پر نظر رکھنا وغیرہ مگر جب وہ خود فاسق ہوگا تو ان امور کی انجام دہی نہیں کر سکے گا۔اگر ہم فاسق کے لیے امام برقرار رکھنا جائز قرار دیدیں تو جس مقصد کے لیے امام بنایا جاتا ہے وہ مقصد باطل ہو جائے گا اسی لیے تو ابتداء ہی فاسق کا امام کے لیے تقرر جائز نہیں ہے کہ مقصد امامت فوت ہو جاتا ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں

جب تک امام کفر نہ کرے اسے ہٹایا نہیں جائے گا یا نماز ترک نہ کرے یا اور کوئی شریعت کا کام ترک کر دے جیسا عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: الَّا یہ کہ تم امام میں واضح کفر دیکھ لو جس پر تمہارے پاس دلیل ہو۔ دوسری حدیث میں ہے جب تک نماز قائم کرتا رہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے تم پر امیر مقرر کیے جائیں گے جن کی کچھ باتیں تمہیں پسند ہوں گی کچھ ناپسند ہوں گی جس نے ناپسند کیا وہ بری ہوا جس نے انکار کیا وہ محفوظ رہا جس نے تابعداری کی اور راضی ہوا ۔لوگوں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جب تک کہ نماز قائم کرتے رہیں۔ دل سے ناپسند کرنا مراد ہے۔ (قرطبی :۱/۲۸۶-۲۸۷)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا اس آیت کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں :ابن خویز منداد رحمہ اللہ نے کہا ہے جو بھی ظالم ہوتا ہے وہ نہ نبی بنتا ہے نہ خلیفہ نہ حاکم نہ مفتی نہ نماز کے امام نہ اس کی روایت قبول کی جاتی ہے نہ احکام میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ جب تک اپنے فسق کی وجہ سے معزول نہ کر دیا جائے اہل حل وعقد اس کو معزول کر دیں۔ (قرطبی:۲/۱۱۵-۱۱۶)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر حاکم میں کفر یا شریعت کا تغیر یا بدعت جیسی خرابیاں ہوں تو وہ والی وحکمران بننے کا اہل نہیں رہے گا اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی مسلمانوں پر اس کو معزول کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنا واجب ہو جائے گا اس کی جگہ عادل امام کا تقرر کیا جائے اگر ممکن ہو اگر سب لوگ نہ کریں اور ایک گروہ ایسا کرے تو اس پر واجب ہے کہ امیر کو معزول کرے مبتدع کے بارے میں واجب نہیں الَّا یہ کہ طاقت کا یقین ہو جائے اگر عجز غالب ہو تو خروج واجب نہیں بلکہ مسلمان کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہوگا۔ کسی فاسق کو ابتداء امام مقرر ہی نہیں کرنا چاہیے اگر خلیفہ نے فسق شروع کر دیا تو بعض لوگ کہتے ہیں

اگر جنگ وفتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو اسے معزول کیا جائے گا جبکہ جمہور اہلسنت محدثین وفقہاء اور متکلمین کہتے ہیں ظلم وفسق کرنے کی وجہ سے معزول نہیں ہوسکتا نہ معزول کیا جاسکتا ہے نہ اس کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے بلکہ احادیث کی روشنی میں اسے ڈرانا اور نصیحت کرنی چاہیے۔قاضی کہتے ہیں: ابوبکر بن مجاہد نے اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے مگر اس پر بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حسن اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور اہل مدینہ بنی امیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور تابعین کی ایک بڑی جماعت ابن الاشعت کی معیت میں حجاج کے خلاف کھڑی ہوئی تھی بلکہ حدیث کہ ہم ان سے حکومت نہ چھینیں تو یہ حدیث ائمہ عدل کے بارے میں ہے جبکہ حجاج کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی جمہور کی دلیل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ صرف حجاج کے فسق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ شریعت میں تغیر کی وجہ سے تھا جو ظاہری کفر تھا۔قاضی کہتے ہیں پہلے اختلاف پہلے تھا پھر اس کے بعد خروج کی ممانعت پر اجماع ہوا۔(شرح مسلم للنووی:۱۲/۴٦۸)

اشعری کہتے ہیں ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج بعض اہل سنت کا مذہب ہے جبکہ اہل سنت کی ایک جماعت اور خوارج، معتزلہ زیدیہ اور بہت سے مرجئہ کہتے ہیں کہ فاسق امام کے خلاف خروج اور قوت کا استعمال واجب ہے۔(مقالات الاسلامیین:۱۴۵)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ امراءِ ظلم کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹانا ممکن ہو تو ضروری اور واجب ہے ورنہ صبر واجب ہے بعض نے کہا کہ فاسق کو حکومتی عہدہ دینا ہی جائز نہیں ہے اگر عہدہ حاصل کرنے کے بعد ظلم کیا تو اس کے ہٹانے میں اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ بغاوت منع ہے جب تک کہ اس سے واضح کفر صادر نہ ہو۔(فتح الباری:۱۳/۸)

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنی چاہیے جیسا کہ ابواسحاق

الفزاری نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ آپ کو اللہ کا ڈر نہیں ہے کہ میرے بھائی کو ابراہیم (ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن ہیں) کی معیت میں بغاوت پر اکسایا، آمادہ کیا؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر وہ بدر میں مارا جاتا تو؟ اللہ کی قسم میرے نزدیک یہ بدر صغری ہے۔(شذرات الذهب: ١/٤٤، تاريخ بغداد: ١٣/٣٨٤)

جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ کا مذہب مشہور ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف قتال کرنا چاہیے۔(احکام القرآن: ١/٨٦)

ثابت ہوا کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت تابعین کے بعد بھی ایک مذہب کی شکل میں باقی رہا جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے احمد بن نصر الخزاعی شہید رحمہ اللہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ احمد بن نصر رحمہ اللہ عالم تھا، دیانتدار، عمل صالح کرنے والا، مجتہد تھا ان ائمہ سنت میں سے تھا جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے قرآن کو مخلوق کہنے والے واثق باللہ کے خلاف خروج کیا۔

غزالی فرماتے ہیں: ظالم حکمران کو اختیارات کے استعمال سے روک لینا چاہیے وہ معزول کیے جانے کے لائق ہے حکمران بنائے جانے کے نہیں (احیاء العلوم: ٢/١١١)۔ ابوالوزیر رحمہ اللہ حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے بارے میں کہتے ہیں: (فقہاء کے کلام میں) اس بات کی تحسین ہے جو حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے ساتھ اور جو ابن الاشعث نے حجاج کے ساتھ کیا جمہور فقہ نے خروج کو مخصوص کر دیا ہے یزید و حجاج کی طرح کے حکمرانوں کے ساتھ کہ ان جیسا ظالم و جابر ہو تو خروج ہوسکتا ہے (الروض الباسم عن سنة ابى القاسم: ٢/٣٤)۔ مزید فرماتے ہیں: ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج جو ممنوع ہے اس منع سے وہ حکمران مستثنیٰ ہے جس کا ظلم اور فساد بہت بڑھ گیا ہو جیسے یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف ایسے حالات میں کوئی بھی اس طرح کے اشخاص کی امامت کا قائل نہیں (ایضاً)۔

علماء کے سابقہ اقوال کے علاوہ ایک تیسرا قول بھی ہے جو قاضی عیاض ابن التین ، ابن حزم اور قرطبی رحمہم اللہ کے اقوال میں مذکور ہے اور دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تبدیلی کی اور خون خرابہ کا اندیشہ اور بڑے ضرر کا خطرہ نہ ہو تو فاسق فاجر حکمران کے خلاف خروج واجب ہے ورنہ نہیں (مزید تفصیل آگے آئے گی)۔

دوسرا قول: بہت سے علماء کہتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کا خون بہے گا حکمران انتقاماً ان کے مال ومتاع برباد کردیں گے۔امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے قتال باجماع المسلمین حرام ہے اگرچہ یہ حکمران ظالم وفاسق ہوں۔اس بات پر بہت سی احادیث دلالت وتائید کرنے والی موجود ہیں۔اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق کی وجہ سے حکمران کو معزول نہیں کیا جاسکتا فقہ کی کتب میں جو وجہ مذکور ہے اور جو معتزلہ سے بھی منقول ہے وہ غلط ہے اجماع کے خلاف ہے علماء کہتے ہیں کہ خروج وبغاوت اس لیے حرام ہے کہ اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوگا مسلمانوں کا خون بہے گا اس طرح حکمران کی موجودگی سے زیادہ بڑا افساد اس کی معزولی سے ہوگا۔(شرح مسلم:۱۲/۲۶۹)

ہمارا خیال ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کا نقل کردہ اجماع ان اقوال سے غلط ثابت ہوتا ہے جو بہت سے علماء سے منقول ہیں کہ خروج کرنا واجب ہے ابن الوزیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے ابوبکر بن مجاہد پر ردّ کیا ہے اس بات پر کہ اس نے ظالموں کے خلاف خروج کو حرام قرار دیا ہے ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کو ردّ کیا ہے اور دلیل کے طور پر یزید کے خلاف حسین رضی اللہ عنہ کے خروج اور حجاج کے خلاف ابن الاشعت کے خروج کو دلیل بنایا ہے جبکہ ابن الاشعت کے ساتھ کبار تابعین بھی تھے۔(الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم لابن الوزیر:۲/۳٤)

ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے امیر تم پر مقرر رہوں گے جو تم

پر دوسروں کو ترجیح دیں گے۔اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترجیح سے مراد ہے دنیاوی معاملات میں ترجیح۔اللہ سے اپنا حق مانگو کا مطلب ہے کہ تمہارے ساتھ انصاف ہو اور تمہیں اس سے بہتر ملے ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ایسے اماموں سے قتال نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں وہ اپنے اور تم اپنے اعمال وفرائض کے ذمہ دار ہو۔ایک حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کے بعد آپ کی امت فتنے میں پڑ جائے گی۔میں نے کہا کیسے؟ کہا امراء وقراء کی وجہ سے۔کہ امراء لوگوں کے حقوق نہیں دیں گے اور قراء ان امیروں (حکمرانوں) کی اتباع کریں گے۔میں نے کہا اس فتنے سے محفوظ رہنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ کہا صبر کرکے۔اگر انہیں کچھ دیا جائے تو لے لیں اور نہ دیا جائے تو چھوڑ دیں۔(فتح الباری کتاب الفتن: ۶/۱۳)

جن احادیث میں آتا ہے کہ امیر کے غلط کام پر صبر کرے۔سلطان کے خلاف خروج نہ کرے ۔جماعت سے علیحدہ نہ ہو۔ان کے بارے میں ابن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ: امیر کی بیعت نہ چھوڑے اس لیے کہ ایسا کرنے سے ناحق کون بہنے کا خطرہ ہے۔جاہلیت کی موت مرنے کی تشریح ابن حجر رحمہ اللہ نے کی ہے کہ جاہلیت میں گمراہی کی موت ہوتی تھی اس طرح کی موت کہ ان کا کوئی ایسا امام نہیں تھا جس کی اطاعت کی جاتی اس لیے کہ وہ اس چیز سے واقف ہی نہیں تھے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافر کی موت مرے گا بلکہ نافرمان کی موت ہوگی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری تشبیہ ہو۔صرف زجر ونفرت کے لیے ایسا کہا گیا ہو اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جو جماعت سے علیحدہ ہوا گویا اس نے اسلام کا پٹہ گلے سے اتار لیا۔(ترمذی۔ابن حبان۔ابن خزیمہ)

ابن بطال کہتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ اور حکمران کے خلاف خروج

جائز نہیں اگرچہ حکمران ظالم ہو۔فقہاء نے مسلط شدہ حکمران کی اطاعت اور اس کی معیت میں جہاد کے وجوب پر اجماع کیا ہے اس کی اطاعت اس خروج سے بہتر ہے جس میں خون خرابا ہو ان فقہاء کی دلیل یہی حدیث ہے الاّ یہ کہ حکمران صریح کفر کا ارتکاب کرے تو اس کی اطاعت نہیں بلکہ بقدر استطاعت اس کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔(فتح الباری:۱۳/۷)

اس مذکورہ حدیث کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حکمران کے صریح کفر کا مطلب یہ ہے کہ کسی آیت یا حدیث سے اس کا کفر ہونا ثابت ہوتا ہو اور تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو اور اگر جب تک ان کے فعل کی تاویل کی گنجائش ہو خروج کی اجازت نہیں ہے۔نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہاں کفر سے مراد معصیت ہے حدیث کا مطلب ہے کہ حکمرانوں سے ان کے معاملات میں تنازعہ مت کرو ان پر اعتراض نہ کرو جب تک ان کو منکر میں مبتلا نہ دیکھ لو اگر ایسا ہو تو پھر حق بیان کرو جہاں بھی ہو۔(شرح مسلم:۱۲/۴۶۹)

کسی نے کہا ہے کہ یہاں گناہ سے مراد معصیت اور کفر ہے امام سے صرف اس وقت تنازعہ کیا جائے جب وہ صریح کفر میں مبتلا ہو۔جس روایت میں کفر کا ذکر ہے اس کو تب محمول کریں گے جب حکومت ہو اور حکمران سے صریح کفر سرزد نہ ہو اس وقت تک اس سے تنازعہ نہیں کریں گے۔ معصیت اس وقت مراد لیں گے جب حکومت نہ ہو اگر حکومت میں عیب نہیں تو معصیت پر تنازعہ کریں گے کہ اس پر اعتراض کیا جائے اور اس کو حق قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے یہ بھی تب ہے جب اس کی استطاعت ہو۔ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کی رائے ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹایا جا سکتا ہو تو ہٹانا واجب ہے ورنہ صبر واجب ہے۔بعض نے کہا ہے کہ فاسق کو سرے سے عہدہ دینا جائز نہیں ہے اگر عادل کو امام بنایا مگر بعد میں وہ ظالم بن گیا تو اس کے خلاف خروج کرنے میں علماء کے مابین اختلاف ہے صحیح

بات یہ ہے کہ جب تک وہ صریح کفر نہ کرے اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔(فتح الباری ۸/۱۳:)

ایک حدیث میں ہے کہ میری امت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں برباد ہوگی۔اس حدیث کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمران کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہیے اگر چہ وہ ظالم وجابر ہو اس لیے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان قریشیوں کے نام بھی معلوم تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے خروج وبغاوت سے گریز کیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ امت کی ہلاکت ان کے ہاتھوں ہوگی اس کی وجہ یہ تھی کہ خروج وبغاوت میں زیادہ ہلاکت کا خطرہ تھا لہٰذا بڑے فساد کی بنسبت چھوٹے فساد کو برداشت کیا۔

(فتح الباری :۱۱/۱۳،شرح العقیدة الطحاویة :۱/۴۲۸-۴۳۰)

تیسرا قول: اگر طاقت ہو تو خروج جائز ہے جبکہ یہ بھی غالب گمان ہو کہ بغاوت وخروج میں اگر چہ کچھ مسلمانوں کا خون بہے گا مگر غلبہ عوام کو حاصل ہوگا اور ظالم حکمران کو ہٹا کر عادل حکمران کو لایا جاسکے گا۔طاقت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ علماء اور سرکردہ لوگ کریں گے۔اس مذہب کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں اور اسی قول کے مطابق ہی تمام دلائل میں تطبیق دی جاسکتی ہے اسی طریقے پر ہی علماء نے تطبیق دی ہے علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں:

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے۔علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر ظالم حکمران کو بغیر ظلم وفتنہ کے ہٹایا جاسکتا ہو تو معزول کر دینا واجب ہے ورنہ صبر کرنا واجب ہے۔(فتح الباری :۸/۳)

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کسی فاسق کو ابتداء حکمران نہیں بنانا چاہیے اور اگر بننے کے بعد فاسق بن گیا تو بعض علماء اس کے معزول کرنے میں اگر فتنہ وحرب نہ ہو تو معزول

کرنا چاہیے۔(شرح مسلم :۱۲/ ۴۶۸)

ایجی کہتے ہیں: کسی ضروری سبب کی وجہ سے امت امام کو معزول کرسکتی ہے اور اگر فتنے کا ڈر ہو تو کم ضرر کو اپنانا چاہیے۔(المواقف: ۴۰۰)

ابن عابدین کہتے ہیں: اگر پہلے عادل تھا پھر ظالم بن گیا تو معزول کرنے کی اگر وجہ ہوئی تو کرنا چاہیے ورنہ نہیں بشرطیکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔(حاشیہ ابن عابدین: ۱/ ۵۷۳)

امام الحرمین الجوینی کہتے ہیں: جب آدمی مقتدا بن جائے لوگ اس کی اتباع کرتے ہوں اور وہ معروف کا پرچار کرتا ہو منکر سے منع کرتا ہو اور مسلمانوں کے تحفظ کا اہتمام کرتا ہو تو اس میں قدم بڑھاتا رہے اللہ اس کی مدد کرے گا۔(غیاث الامم للجوینی:۲۷۷)

کافر حکمران کے خلاف خروج

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حکمران یا تو کافر ہوتا ہے یا مسلمان۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مسلم عادل حکمران کے ساتھ عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیے اور فسق ظاہر کی صورت میں یہ مسلم حکمران عدل سے نکل جاتا ہے۔اب اس مسئلے میں یہ بیان کریں گے کہ جو حکمران اسلام سے خارج ہو جائے اس کا کیا حکم ہے اس خروج کی کوئی بھی صورت ہو چاہے بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کر کے ہو یا شریعت کو تبدیل کرنے سے یا اللہ کا حکم کے متضاد قانون بنانے سے۔ایسے حکمران مسلمان نہیں لہٰذا ان کی اطاعت واجب نہیں ہے بلکہ طاقت ہو تو ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ قابل اطاعت اولی الامر سے مراد علماء وفقہاء ہیں وہ لوگ نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال۔معروف کو منکر اور منکر کو معروف بناتے ہیں ان کا حکم کرتے ہیں اور لوگوں کو زبردستی کفر پر مجبور کرتے ہیں ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اولی الامر سے مراد فقہاء ہیں۔عبید اللہ بن احمد کہتے ہیں: وہ لوگ کہ جو لوگوں کو اللہ کا دین سمجھاتے ہیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ

رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :فقہاء وعلماء مراد ہیں ۔عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:فقہاء وعلماء مراد ہیں ۔رسول کی اطاعت سے کتاب وسنت کی پیروی مراد ہے۔میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں:جب تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو ان کی اوراب سنت کی اطاعت ہے۔مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:اہل علم وفقہ مراد ہیں ۔اختلاف میں اولی الامر کے بجائے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں :جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں :اولی الامر سے مراد اہل القرآن والعلم ہیں۔مالک اورضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔مقاتل کلبی اور میمون کہتے ہیں:مراد ہے فوج کے سپہ سالار۔سہل بن عبداللہ کہتے ہیں:لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک بادشاہ اورعلماء کی تعظیم کریں گے جب ایسا کریں گے تو ان کا دین ودنیا دونوں صحیح رہیں گی ورنہ بگڑ جائیں گی (قرطبی:٥/٢٦٢)۔ابوبکر جصاص کہتے ہیں:اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔جابر بن عبداللہ،ابن عباس رضی اللہ عنہم،حسن ،عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ:مراد فقہاء وعلماء ہیں ۔ابن عباس ۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:مراد فوجوں کے سپہ سالار ہیں۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب مراد ہوں اس لیے کہ فوج کے سپہ سالار دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں ۔علماء شریعت کی حفاظت کرتے ہیں اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے: کہ علماء سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں اولی الامر سے مراد حکمران ہیں اس لیے کہ پہلے عدل کرنے کا ذکر ہوا ہے اور یہ وہی کرسکتا ہے جس کے پاس طاقت واختیار ہو۔لہٰذا اس سے مراد قاضی وحکمران ہیں ۔اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کا حکم دینے کا مطلب ہے کہ جب تک یہ حکمران عادل ہوں ۔اولی الامر سے مراد حکمران ،فوجی سربراہ اور قاضی وعلماء سب ہوسکتے ہیں عدل کے حکم سے لازم نہیں آتا کہ صرف حکمران ہوں ۔اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تنازعات لیجانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں ورنہ جس کو کتاب وسنت کا علم نہ ہو وہ کیسے ان سے رجوع کرے گا؟ (احکام القرآن

:۳/۱۷۷-۱۷۸)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے :ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:اس سے مراد فقہاء ہیں ۔مجاہد ۔عطاء۔حسن ۔ابوالعالیہ رحمہم اللہ نے بھی علماء مراد لیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ سب مراد ہیں۔(ابن کثیر:۱/۷۸٤)

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:علماء کی رائے ہے کہ یہاں اولی الامر سے مراد علماء ہیں جمہور سلف وخلف مفسرین فقہاء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کسی نے کہا ہے علماء وامراء مراد ہیں۔(شرح مسلم :۱۲/٤٦٤/٤٦٥۔ابن کثیر)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:ائمہ،سلاطین اور قاضی اور ہر وہ شخص مراد ہے جس کے پاس شرعی عہدہ ہو طاغوتی نہ ہو۔(فتح القدیر:۱/٤۸۱)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: طیبی نے کہا ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت مستقلاً ہے جبکہ امراء میں کچھ واجب الاطاعت ہوں گے کچھ نہیں ہوں گے اگر وہ حق پر عمل نہ کرتے ہوں تو ان کی اطاعت مت کرو اور اختلافی امور اللہ ورسول کے حکم کے پاس لیجاؤ۔(فتح الباری:۱۳/۱۱۲)

سید قطب شہید رحمہ اللہ کہتے ہیں:اولی الامر سے مراد وہ مومن ہیں جن میں ایمان واسلام کی شرائط پائی جاتی ہوں آیت میں اللہ ورسول کی اطاعت سے مراد ہے اللہ کو حاکمیت میں اکیلا ماننا اور ابتداء لوگوں کے لیے تشریع کا حق اور اس سے اخذ کرنا جس کے بارے میں نص ہو اور جب آراء و عقول میں اختلاف ہو جائے تو منصوص علیہ کی طرف رجوع کرنا نص نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بنیاد اور اصل قرار دیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو ان کا تابع کیا ہے یہ بتانے کے لیے اولی الامر کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت کے ضمن میں ہوگی اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ مومن مسلمان ہوں۔(الظلال:۲/٦۹۰-٦۹۱)

یہ دراصل نہی نہیں ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر راہ مت دو۔اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ مسلمان کافر کا غلام نہیں بن سکتا کسی بھی طرح۔(قرطبی:٥/٤١٨۔ابن کثیر)

یہ تب مراد ہوگا جب آیت دنیا و آخرت دونوں کے لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ صرف آخرت کے لیے ہے۔علماء کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمانوں پر حکمران نہیں بن سکتا نہ کسی مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے اسی لیے ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کافر کسی بھی حال میں مسلمان کا والی وحکمران نہیں بن سکتا۔(احکام الذمه لابن القیم: ٢/٤١٤)

آیت مذکورہ سے جو سب سے اہم بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کافر مسلمان کے حکمران نہیں بن سکتے کہ وہی امر و نہی کرتے ہیں اور مخالفت پر سزائیں دیں۔جب شریعت نے مسلمان مرد و کافر عورت کی شادی ممنوع قرار دی ہے حالانکہ یہ ایک مسلمان عورت کی بات ہے تو تمام مسلمانوں کی یا ایک مسلم ملک کی حکومت کیسے کافر کے حوالے کی جا سکتی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امیر کی اطاعت کی بیعت لی تھی مگر اس وقت کہ جب امیر واضح کفر کا مرتکب نہ ہوا گر ایسا ہوا تو ان کے خلاف خروج کرنا چاہیے ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔اس پر علماء کا اجماع ثابت ہے جنادہ بن امیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گئے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت لی کہ مشکل و آسان تنگی و خوشحالی ہر حال میں امیر کی بات سننی اور اطاعت کرنی ہے جب تک امیر واضح کفر کا مرتکب نہ ہو۔(متفق علیه)

نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کافر کو امام نہیں بنایا جا سکتا۔اور اگر امام بننے کے بعد کسی نے کفر کیا تو اسے بھی معزول کیا جائے گا اسی طرح نماز اور اس کے لیے اذان کو ترک کر لیا پھر بھی معزول ہوگا قاضی عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں اگر امام نے کفر کیا، شریعت کو تبدیل کیا یا بدعت کا مرتکب ہوا

تو وہ امام نہ رہا اس کی اطاعت نہیں ہوگی مسلمانوں پر اس کے خلاف خروج واجب ہوگا اس کی جگہ عادل امام کا تقرر کرنا ہوگا اگر سب کے بجائے ایک گروہ ایسا کرسکتا ہو تو اس پر بھی واجب ہے (مسلم:۱۲/ ۲۲۹)۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: فقہاء نے مسلط شدہ حکمران کی اطاعت اور اس کی معیت میں جہاد کے وجوب پر اجماع کیا ہے اور بغاوت کے بجائے اطاعت کو لازم قرار دیا ہے الاّ یہ کہ حکمران سے صریح کفر سرزد ہو تب اس کی اطاعت نہیں بلکہ اس کے خلاف جدوجہد کی جائے۔(فتح الباری:۱۳/ ۵۔نیل الاوطار:۷/ ۱۹۸)

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: کفر کی بنا پر حکمران کو معزول کرنے پر اجماع ہے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کے خلاف کروج کرے اس میں ثواب ہوگا اگر سستی کرے گا تو گناہگار ہوگا جو عاجز ہو اس پر ہجرت ہے۔(مجموع الفتاویٰ:۳/ ۴۲۲)

یہ تمام آیات، احادیث اور علماء کے اقوال اس حکمران کے بارے میں شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہیں جو اللہ کے دین سے نکل گیا ہو اس کی اطاعت نہیں کرنی بلکہ اس کے خلاف خروج واجب ہے اگر وہ خود عہدہ نہ چھوڑے تو اسے معزول کرنا چاہیے۔اب ہم اس شخص سے متعلق علماء کے اقوال پیش کریں گے جو اللہ کی شریعت کے بجائے لوگوں کے لیے خود قوانین بناتا ہو یا لوگوں میں اللہ کے حکم کے نفاذ میں رکاوٹ بنتا ہو۔ایسا شخص جو اس طرح کے احکام بناتا ہو جو اللہ کے دین میں نہیں ہیں اس کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عمل کی چار صورتوں میں سے ایک صورت ہوگی:

① لازمی فرض کو ساقط کرنا مثلاً نماز روزے یا حج یا زکاۃ میں سے کچھ ساقط کرنا یا قذف یا زنا میں سے کسی حد کو یا ان سب کو ساقط کرنا۔

② یا ان میں سے کسی ایک، چند یا سب میں اضافہ یا ایجاد کرنا۔

③ یا کسی حرام مثلاً خنزیر، شراب، مردار کو حلال قرار دینا۔

④ یا حلال کو مثلاً دنبے وغیرہ کا گوشت حرام قرار دینا ان میں سے کوئی بھی کام کرنے والا کافر مشرک یہود ونصاری کے حکم میں ہے۔ایسا کرنے والے سے توبہ کرائے بغیر قتال کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اگر توبہ کر بھی لے تو قبول نہیں کرنا چاہیے اس کا مال بیت المال میں جمع کرانا چاہیے اس لیے کہ یہ دین تبدیل کرتا ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔(الاحکام:٦/١١٠-٢/٩-٦/٧٧-١٠٩-١١٧-بخاری مسلم)

ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کسی اور کو حلال حرام قرار دینے کا حق ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا۔ یا کسی حد کو لازمی قرار دے جو نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی یا ایسا شرعی قانون بناتا ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا تو وہ شخص کافر مشرک ہے اس کی جان ومال اس کا حکم مرتد کا ہے۔(مجموع الفتاوی:٢٨/٥٢٤)

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ نے آیت **اَفَحُكْمُ الجَاهِلِيَةِ يَبْغُونَ** میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ کے دین سے نکل جاتے ہیں اور دیگر آراء، خواہشات اور اصطلاحات کو اپناتے ہیں جو انسانوں کے وضع کردہ ہوتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی سند نہیں ہوتی جس طرح اہل جاہلیت اپنے گمراہ کن نظریات اور اپنی آراء پر مبنی قوانین پر عمل کرتے تھے اور جس طرح تاتاری اپنی حکومت میں مختلف یہودی ونصرانی وغیرہ نظریات سے ماخوذ چنگیز خان کی مرتب کردہ مجموعہ قوانین الیاسق کو نافذ کرتے تھے وہ ان کے نزدیک شریعت اسلامی پر مقدم تھی جو بھی ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے اس کے ساتھ قتال واجب ہے جب تک اللہ ورسول ﷺ کے حکم کی طرف نہ آجائے اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اسی کے مطابق فیصلے نہ کرے۔(ابن کثیر:٢/١٠٧)

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کہتے ہیں: (نواقض اسلام میں سے) چوتھا ناقض ہے کتاب وسنت کو چھوڑ کر

کسی اورطرف فیصلہ لیجانا۔ابن کثیر رحمہ اللہ کا اَفَحُکْمُ الجَاھِلِیَۃِ سے متعلق قول ذکرکرنے کے بعد کہتے ہیں اس کی مثال ہے اکثر لوگوں کا اپنے قبائلی رسوم ورواج کے مطابق فیصلے کرنا جنہیں یہ لوگ کتاب وسنت پر مقدم کرتے ہیں ایسا جس نے بھی کیا وہ کافر ہے اس کے ساتھ قتال واجب ہے جب تک اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف نہ آجائے۔(مجموعۃ التوحید: ۲۱٤)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ لوگ ایک ایک مسلمان مما لک پر حملے کررہے ہیں خود کو بظاہر مسلمان کہتے ہیں مگر اسلام کے اکثر احکام پر عمل نہیں کرتے ان کا کیا حکم ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا ان لوگوں میں سے ہو یا کوئی اور ہو جو شرعی احکام متواترہ کا التزام نہیں کرتے وہ کافر ہیں ان سے قتال واجب ہے جب تک اسلامی شرائع کو نہ تھام لیں ۔اگرچہ یہ لوگ زبان سے شہادتین کا اقرار کرتے ہوں اور کچھ شرعی احکام کو اپناتے ہوں جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکاۃ سے قتال کیا تھا۔اسی وجہ سے فقہاء نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مناظرہ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کی بنا پر حقوق اسلام کے قتال پر اتفاق کیا ہے کتاب وسنت پر عمل کرتے ہوئے۔خوارج کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ بدترین مخلوق ہوں گے اور تمہاری نمازیں اور روزے ان کے روزوں اور نمازوں کے سامنے تمہیں حقیر لگتے ہوں گے۔(بخاری ۔مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ شرائع کے التزام کے بغیر صرف اسلام کو اپنانا قتال کو ساقط نہیں کرتا۔جب تک دین ایک اللہ کے لیے نہ ہوجائے قتال واجب ہے جب غیر اللہ کا دین ہو قتال واجب ہوگا۔جو بھی گروہ نماز،روزہ،حج یا مال وجان کی حرمت یا زنا وشراب کی حرمت یا ذی محرم سے نکاح کی حرمت یا کفار سے جہاد کے التزام یا اہل کتاب پر جزیہ مقرر کرنے جیسے امور سے منع کرتا ہو وہ کافر منکر ہے ۔ان سے روکنے والے گروہ سے قتال کیا جائے گا اگرچہ وہ ان کا اقرار کرتا

ہواس بات میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔(مجموع الفتاوی ۸۲/۵۰۲-۵۰۳)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: جو گروہ اسلام کے متواتر ظاہری شرائع سے نکل گیا ان سے قتال پر علماء کا اتفاق ہے اگر چہ یہ گروہ کلمہ کا اقرار کرتا ہو۔اگر یہ کلمہ کا اقرار کریں اور نمازوں سے منع کریں یا زکاۃ سے یا روزوں یا حج سے تو جب تک یہ اپنی روش کو ترک نہ کردیں ان سے قتال ہوگا یا یہ زنا جوا شراب وغیرہ کو حلال قرار دیں پھر ایسا ہوگا۔اسی طرح مال وجان اور عزتوں کے بارے میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرنے سے منع کریں یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منع کریں جہاد سے روکیں یا بدعت کا ارتکاب سرعام کریں جو کتاب وسنت اور سلف کے خلاف ہو تو اللہ کے فرمان کے **وَقَاتِلُوْهُم**...... پر عمل کرتے ہوئے ان سے اس وقت تک قتال ہوگا جب تک یہ ان تمام باتوں کو تسلیم نہ کرلیں اور ان کو منع کرنے سے رک نہ جائیں۔(مجموع الفتاوی ۲۸/۵۱۰-۵۱۱)

ان تمام گذشتہ نصوص ودلائل سے ثابت ہوا کہ کافر حکمران کی اطاعت سے نکلنا اور اس کے خلاف قتال کرنا جمہور مسلمانوں کا فریضہ ہے۔اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو طاقت حاصل کرنے اور تیاری کی کوشش ان پر لازم ہے یہ کسی بھی طرح ساقط نہیں ہوگا اللہ کا فرمان ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ(الانفال:۶۰)

ان کے خلاف تیاری کرو طاقت اور گھوڑوں سے اس طرح تم اپنے اور اللہ کے دشمن کو ڈراؤ گے اور ان کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اسکا تمہیں پورا اجر دے گا تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

اللہ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد کے لیے اسلحہ اور سواری وغیرہ ضروریات تیار کرو اس لیے کہ قتال کی تیاری قتال کی نیت کا ثبوت ہے جبکہ تیاری ترک کرنا منافقین کی صفات میں سے ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر یہ (منافق) نکلنے کا ارادہ رکھتے تو پہلے سے اس کی تیاری کرتے لیکن اللہ کو ان کا نکلنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے قتال و جہاد کو اہمیت نہیں دی اس لیے کہ اس کی تیاری بھی نہیں کی تھی اور عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہاں قوت سے مراد ہر وہ طاقت ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے حاصل کی جائے اس میں مادی قوت سے پہلے ایمانی قوت کا حصول بھی شامل ہے اس لیے اللہ نے اس آیت کی ابتداء میں ایمان کی تصحیح اور رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اور آپس میں اختلافات سے منع کیا ہے پھر اس کے بعد تیاری کا حکم ہے۔

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ وَ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (حدید:۲۸)

ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ تمہیں رحمت دوگنی دے گا اور تمہیں نور عطا کرے گا تمہارے گناہ معاف کرے گا اللہ غفور رحیم ہے۔

فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ، وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران:۱۰۳)

ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آئے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو تفرقہ مت کرو۔

دیگر آیات بھی اسی طرح کی ہیں۔ ایمان کی تصحیح اور تقوی کے ہتھیار سے مسلح ہونا فی سبیل اللہ قتال

کرنے والوں کے لیے بہت اہم ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ(انفال:۴۵-۴۷)

جب (جنگ کے دوران)ایک گروہ (کفار) سے تمہارا سامنا ہوتو ڈٹے رہو اللہ کو زیادہ یاد کروتا کہ تم کامیاب ہو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو باہم اختلاف مت کرو ورنہ تم بزدل ہوجاؤ گے تمہارا رعب جاتا رہے گا اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے نکلے اور ریاء کے لیے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اللہ نے اپنے مجاہد بندوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن سے سامنا ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اللہ ورسول کی اطاعت کرو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اس آیت میں اس اسلحہ کا ذکر ہے جس سے مسلمان مجاہدین مسلح ہوتے ہیں اور دشمنوں کی اس کی استطاعت نہیں ہوتی اگرچہ مادی قوت ان کے پاس کتنی ہی ہو اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں اللہ جس کے ساتھ ہو تو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔اللہ فرماتا ہے: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کرے گا؟

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران صفیں سیدھی کررہے تھے اور ہر جھنڈے اور قبیلے کے پاس جا کر کہتے کہ اللہ کے بندوں اللہ سے مدد اور صبر کی دعا کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تم میں سے جو

قتل ہو جائے شہید ہوکر جو زندہ رہا وہ صبر اور غنیمت کے ساتھ ہوگا لیکن خود کو قتال پر آمادہ رکھو تیر، نیزے اور تلواریں اور دوبدو جنگ کا سامنا ہوگا اللہ کے پاس جو کچھ دینے کے لیے ہے وہ اسی طرح حاصل ہوگا (الاکتفاء:۳/۲۰۱)۔ جنگ بدر میں نکلنے والوں کی حالت اللہ نے بتائی ہے کہ جب انہوں نے دشمن کے مقابلے میں اپنی قلت دیکھی تو اس قوت کی طرف متوجہ ہو گئے جس کی برابری کوئی قوت نہیں کرسکتی اس لیے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ پر توکل اور اس کی طرف صحیح توجہ کے بغیر طاقت حاصل نہیں ہوسکتی اللہ نے فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (انفال:۹)

جب تم فریاد کررہے تھے اپنے رب سے اس نے فرمایا قبول کرلی (اور کہا) کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار پے درپے آنے والے فرشتوں کے ذریعے۔

نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی جب مشرکوں کو دیکھا کہ اکڑتے اور دکھاوے کے لیے آرہے تھے مگر ان کی کثرت، قوت اور اسلحہ کے باوجود کوئی مسلمان پیچھے نہیں ہٹا۔ حالانکہ وہ لوگ اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے نکلے تھے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی قوت و کثرت دیکھی تو آپ سمجھ گئے کہ مادی قوت سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا لہٰذا آپ ﷺ نے اس قوت کے سرچشمہ سے رجوع کرلیا جو کبھی کمزور نہیں ہوتی گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں کیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی تو آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو فرشتوں سمیت نازل ہوتے دیکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنادی (الخصائص الکبری: ۱/۳۳۰)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لیے باب باندھا ہے کہ قتال سے قبل عمل صالح کا باب اور اس میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے قتال کرتے ہو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ مدد کے بڑے اسباب میں سے معرکہ

سے قبل عمل صالح ہے۔ابن قیم رحمہ اللہ نے یہی بات اشعار میں کہی ہے کہ اللہ گروہ قتال اعمال کی بنیاد پر کرتا ہے شجاعت کی نہیں۔مسلمانوں نے کثرت کی وجہ سے علاقے فتح نہیں کیے ورنہ تو دشمن کی تعداد ان سے زیادہ تھی۔انہوں نے دلوں کو علم وایمان سے فتح کیا۔قرآن نے بیان کیا ہے کہ ہم سے پہلے مومن بھی ایسے ہی تھے بنی اسرائیل نے جب اپنی کم تعداد اور دشمن کی قوت دیکھی تو کہا: اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔(بقرہ)

اس دعا کا فوری نتیجہ سامنے آیا کہ اللہ کے حکم سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اللہ نے اسے بادشاہت وحکمت دی اور جو سکھانا چاہا سکھا دیا(بقرہ)۔اللہ نے مادی قوت کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا کہ جس کا مجاہدین کی فتح میں کردار رہا ہو۔بلکہ اصل چیز تھی توکل اور اللہ کی طرف سے سچی توجہ ودعا۔آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے اطاعت وتقوی کے اسلحہ سے مسلح ہونا ضروری ہے۔ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کردے گا(محمد)۔اللہ اس کی مدد ضروری کرے گا جو اس کی مدد کرے گا اور وہ قوت والا غالب ہے(حج)۔گویا مدد غلبہ کے لیے اللہ کے دین اور رسول کی مدد شرط ہے۔ہمارے خیال میں اب مدد نہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ اس عمل میں کوتاہی برتی جاتی ہے اس لیے کہ اللہ کا طریقہ رہا ہے معصیت شکست اور اطاعت فتح کا سبب بنی ہے۔یہ اللہ کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بھی تھا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے جب غزوہ احد میں کچھ لوگوں نے مخالفت کی تو انہیں مشرکین کے تیروں کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ شروع میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا اسی لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم اللہ کے دشمنوں سے اللہ کی اطاعت اور ان کی معصیت پر لڑتے رہو اگر معصیت میں تم ان کے برابر ہوگئے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے یہ مت سمجھنا کہ تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ماموں ہو اس لیے کہ اللہ اور بندے کے درمیان

واسطہ صرف اطاعت کا ہوتا ہے۔اللہ کے ہاں کمزور اور خاندانی شرافت کے حامل سب برابر ہیں وہ سب اس کے بندے ہیں صرف اعمال کی وجہ سے درجات میں فرق آتا ہے ۔(الاکتفاء:٤/١٥٨)

اگر اہم اسلامی حکومت کا قیام اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہیں تو ہمیں مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اللہ کے حق میں بھی کمی نہیں کرنی چاہیے ہم تقوی اختیار کریں تو وہ ہر دعا سنے گا۔طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں :اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان نہ لانے والے کفار دشمنوں اور تمہارے درمیان عہد ہو اور تم ان کی خیانت سے ڈرتے ہو تو اللہ و رسول پر ایمان لانے والو قوت حاصل کرو جتنے بھی مادی اسباب میسر ہوں اس طرح تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو گے پھر طبری نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اللہ فرماتا ہے: **وَ اَعِدُّوْا لَهُم** ...... کہ قوت جمع کرو یاد رکھو قوت تیر اندازی ہے تین مرتبہ فرمایا۔(مسلم۔ترمذی۔ابو داؤد۔ابن حبان۔احمد۔بهیقی)

اس آیت کے بارے میں عکرمہ سے روایت ہے کہ قوت سے مراد نر گھوڑے اور رباط الخیل سے مادہ گھوڑی مراد ہے۔رجاء بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مکہ میں ایک مجاہد سے ملا جس کے پاس گون تھے (پتھر مارنے کے لیے اون یا بالوں سے بنایا جاتا ہے) مجاہد نے کہا یہ ہے قوت مجاہد غزوہ کی تیاری کر رہا تھا۔سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں :آیت میں مذکور قوت سے مراد ہے اسلحہ ۔دشمن کو ڈرانے کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے کہ دشمن کو شکست و رسوا کرو گے۔(**و آخرین من دونهم**......) کے بارے میں ابن زید کہتے ہیں تم ان کو اس لیے نہیں جانتے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں غزوہ میں شریک ہیں لا الہ الا اللہ کے اقراری ہیں کسی نے کہا اس سے مراد جنات ہیں ۔ابو جعفر کہتے ہیں :اس آیت کے بارے میں بہتر بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو حکم

دیا ہے کہ ایسی قوت تیار رکھو کہ دشمن سے مقابلہ کرسکو اور خود کو ان سے بچا سکو قوت کو اللہ نے عام ذکر کیا ہے اس لیے اسے عام ہی رکھنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ رسول ﷺ نے اسے خاص کیا ہے اور الرمی کو قوت کہا ہے تو کہا جائے گا کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ قوت کو خاص کر دیا ہو بلکہ الرمی قوت کی ہی ایک شکل اور حصہ ہے حدیث میں ہے کہ قوت رمی ہے یہ نہیں کہا کہ اور کچھ نہیں ہے قوت میں سے تلوار۔ نیزہ۔ ہاتھوں سے لڑنا یا جو بھی چیز جنگ میں معاون ہو (جو بھی اسلحہ جس دور میں استعمال ہوتا ہو اصل کام دشمن سے لڑنا ہے اس کے لیے قوت درکار رہے)(تفسیر طبری: ۱۰/۳۲) ۔اس آیت کے بارے میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ نے مومنوں کو دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا ہے اور اس سے پہلے تقوی کی تاکید کی ہے۔ اللہ چاہتا تو صرف نبی ﷺ کے مٹی پھینکنے سے بھی انہیں شکست دے سکتا تھا مگر بعض لوگوں کو آزمانا مقصود تھا۔ تیاری سے مراد ہے دشمن کے مقابلے کے لیے جو کچھ بھی ہو سکے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قوت سے مراد اسلحہ ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول ﷺ نے فرمایا: قوت تیر اندازی ہے تین مرتبہ کہا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں بہت سی زمینیں فتح کرائے گا اور اللہ تمہارے لیے کافی ہو گا تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکے گا مگر تم اپنے تیروں سے غافل مت ہونا۔(مسلم۔احمد۔طبرانی)

فرمایا جس چیز سے بھی آدمی کھیلتا ہے وہ باطل ہے سوائے تیر، کمان یا گھوڑے سدھانے اس کے ساتھ کھیلنے کا یہ حق ہے۔(ترمذی ۔ابو داؤد)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے بھی آدمی کھیلتا ہے اور اس کا فائدہ نہیں ہے نہ دنیا میں نہ آخرت میں وہ باطل ہے اس کو ترک کرنا افضل ہے مذکورہ تینوں اشیاء کے ساتھ بھی کھیلا جاتا ہے مگر یہ مفید ہے اس لیے کہ یہ قتال کے اسباب ہیں۔ اسی لیے ان کو حق کہا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے

روایت کرتے ہیں اللہ تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا ایک چیز بنانے سے اگر اس کے بنانے میں ثواب کی نیت ہے۔ تیر بنانے والا پھینکنے والا اور اٹھا کر لانے والا۔ (ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی)

من رباط الخیل کو حسن۔ عمرو بن دینار اور ابوحیوۃ نے **من رُبُط الخیل** پڑھا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں پانچ سے زیادہ کو رباط الخیل کہتے ہیں اس کی جمع ربط ہے اس کا معنی ہے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کرنا دشمن کے مقابلے کے لیے گھوڑوں کی تیاری کی بہت بڑی فضیلت ہے عروہ البارقی رحمہ اللہ کے پاس ستر گھوڑے جہاد کے لیے تیار تھے۔ بہتر ہے کہ گھوڑیاں ہوں یہ عکرمہ اور کچھ دیگر لوگوں کی رائے ہے یہ صحیح بھی ہے اس لیے کہ جبریل کی گھوڑی بھی تھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک آدمی لیے اجر دوسرا پردہ تیسرا بوجھ یا گناہ۔ (بخاری۔مسلم۔نسائی۔ترمذی)

اس میں نر و مادہ کی تخصیص نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کون سی سواری بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قیمتی ہو اور جس سے خریدی جارہی ہے ان کو سب سے زیادہ پسند یا عمدہ ہو۔ (بخاری۔مسلم)

ابووہب الحشمی صحابی رضی اللہ عنہ ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرو اللہ کو سب سے زیادہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام پسند ہیں۔ گھوڑے پالو ان کی خود مالش کروان کے گلے میں وتر مت ڈالو سرخ سیاہ اور پنج کلیاں گھوڑا لیا کرو جو سیاہ ہو اور چاروں پاؤں اور منہ سفید ہو۔ (ابوداؤد)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بہترین گھوڑا بہت سیاہ ہے جو پنج سالہ ہو۔ پھر سیاہ جس کی ناک پر سفید دھبہ ہو۔ اگر سیاہ نہ ہو تو سرخ وسیاہ رنگ کا ہو۔ (ابوداؤد۔احمد۔ابن ماجہ)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیسا گھوڑا خریدوں آپ

ﷺ نے فرمایا: کالا سیاہ جس کی ناک پر سفید دھبہ ہو یا سرخ وسیاہ یا جس کا دایاں پاؤں سفید ہو۔آپ کو وہ گھوڑا ناپسند تھا جس کے بائیں ٹانگ میں نشان ہو۔(مسلم۔ابو داؤد)

اگر کوئی سوال کرے کہ جب قرآن میں من قوۃ عام ہے تو الرمی اور الخیل کہہ کر اس کو خاص کرنے کی کیا ضرورت ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ گھوڑے کی پیشانی میں ہمیشہ بھلائی ہے اور یہ جنگ کے اہم ترین ذرائع میں سے ہے اور قرآن میں **والعادیات ضبحا** کہہ کر ان کی تعریف کی گئی ہے اس لیے۔اور تیر بھی اہم ترین ہتھیار رہے جس سے دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا جاتا تھا اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا۔اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرانے سے مراد یہود اور قریش کفار عرب۔اور جن کے بارے میں کہا کہ تم انہیں نہیں جانتے یعنی فارس اور روم کے لوگ کسی نے کہا جنات کسی نے کہا قریظہ کسی نے کہا کوئی بھی ہو جسے نہ جانتے ہوں۔اس کے بارے میں جب اللہ نے نہیں بتایا تو کسی کو بھی کچھ کہنا نہیں چاہیے الاّ یہ کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہو جس میں آپ ﷺ نے فرمایا جنات مراد ہیں پھر فرمایا شیطان جس گھر میں گھوڑا ہو اس میں شیطان نہیں جاتا (جہاد کے لیے گھوڑا: معجم الصحابہ)۔ایک روایت میں ہے کہ جنات اس گھر میں نہیں جاتے جہاں گھوڑا ہو یہ گھوڑے کے ہنہنانے سے ڈرتے ہیں۔(تفسیر القرطبی:۳۸/۸)

جصاص رحمہ اللہ نے احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ رمی کو قوت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دشمن کے مقابلے کا اہم ترین ذریعہ ہے البتہ دیگر قوتوں کی نفی نہیں کی گئی ہے اس لیے کہ جس قسم کے اسلحہ سے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہو اسے اپنانا چاہیے وہی قوت ہے۔

حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول ﷺ نے حکم دیا کہ ہم جہاد کے دوران ناخن نہ تراشوائیں فرمایا قوت ناخنوں میں ہے (مستند کتب میں یہ حدیث مجھے نہیں ملی)۔البتہ مسند احمد میں ہے کہ دشمن کے علاقے میں ناخن بڑھاؤ یہ بھی ہتھیار ہے اس کے ذریعے سے رسیوں کی گرہیں کھولی

جاتی ہیں۔(المغنی :۹/۱۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے جو بھی ذریعہ قوت فراہم کرنے کا ہو وہ قوت ہے اسلحہ ہے اسے اپنانا چاہیے اللہ کا فرمان ہے: اگر یہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے تیاری کرتے۔ تیاری نہ کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔(احکام القرآن:٤/۲۵۳)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تیر انداز کرنے اور سیکھنے کے بارے میں سوال ہوا اور جو اس کا سیکھنا ترک کردے اور نیزہ بازی تلوار زنی کے بارے میں کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے خاص علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ کی راہ میں تلوار زنی ہو، نیزہ بازی ہو یا تیراندازی سب کا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اللہ کا فرمان ہے:

فَاِذا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰىٓ اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا(محمد:٤)

جب تم کفار کا (جنگ میں) سامنا کرو تو گردنوں پر مارو اور جب خون بہاؤ تو سختی سے قید کرو پھر اس کے بعد فدیہ لے کر یا احسان کر کے چھوڑ دو یہاں تک کہ جنگ ہتھیار رکھ دے۔

فرمان ہے:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ(انفال:۱۲)

مارو گردنوں پر اور ہر جوڑ پر۔

فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ(مائدہ:۹٤)

ایمان والو اللہ تمہیں شکار کے ذریعے آزمائے گا جس تک تمہارے نیزے پہنچیں گے

فرمان ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ(انفال:٦٠)

اور تیاری کروان کے لیے جتنی استطاعت ہو قوت میں سے اور گھوڑوں کی تیاری جس کے ذریعے تم اپنے اور اللہ کے دشمن کو ڈراتے ہو ان کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت منبر پر پڑھی پھر فرمایا: سنو قوت تیراندازی ہے تین مرتبہ کہا۔فرمان رسول ﷺ ہے: تیراندازی کرو سوار ہو جاؤ سواری سے بہتر میرے نزدیک تیراندازی ہے جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر بھلا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(مسلم)

ایک روایت میں ہے: جس نے تیراندازی سیکھی پھر بھلا دیا اس نے ایک نعمت کا انکار کر دیا۔سنن میں ہے: ہر کھیل باطل ہے سوائے تیر بنانے گھوڑا پالنے یا ان کے ساتھ کھیلنے کے یا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے کے یہ حق ہے۔فرمایا عنقریب تم زمینیں فتح کرو گے اللہ تمہارے لیے کافی ہوگا مگر تیروں سے کھیلنا مت ختم کرنا۔مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ شام والوں کو لکھا کہ اپنے بچوں کو گھڑ سواری اور تیراندازی سکھاؤ۔نبی ﷺ کا فرمان ہے: بنو اسماعیل تیراندازی کرو تمہارا باپ اسماعیل علیہ السلام تیرانداز تھا میں بنو فلاں کے ساتھ ہوں۔ایک گروہ مقابلے سے رک گیا آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا جب آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں تو ہم (ان کے مقابلے پر) کیسے نشانہ بازی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سب کے ساتھ ہوں۔سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے احد والے دن مجھ سے فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں تیراندازی کرو۔(بخاری)

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے اس کو کہا ہو کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں سوائے سعد رضی اللہ عنہ کے جن کو احد کے دن کہا تھا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیر اندازی کرو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول ﷺ نے فرمایا: لشکر میں ابوطلحہ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے (ابن عبدالبر۔التقييد: ١/٤١٦)۔ جب وہ لشکر میں ہوتے تو آپ ﷺ کہتے میری جان تم پر فدا ہو میرا چہرہ تیرے چہرہ کا ڈھال ہو۔ نبی ﷺ کی ایک تلوار تھی ایک کمان اور ایک نیزہ تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے جس نے جنگ میں تیر چلایا وہ دشمن تک پہنچے یا نہ چلانے والے کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر اجر ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ایک تیر کے سبب تین آدمی جنت میں جائیں گے بنانے والا چلانے والا اٹھا کر لانے والا۔ اس لیے کہ یہ سب جہاد کے کام ہیں اور جہاد تمام عبادات میں بہتر عمل ہے اس کا نفلی عمل حج سے بہتر ہے۔ اس لیے مکہ ومدینہ میں بیٹھنے سے سرحدوں کی حفاظت زیادہ بہتر ہے۔ سرحدوں پر ہتھیار چلانا نفلی نماز سے بہتر ہے اور اگر دشمن کے شہر سے دور ہو تو نفلی نماز کے برابر ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر درجہ کے درمیان زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے یہ درجات اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان تمام اعمال میں سے ہر عمل کے لیے ایک خاص مقام ہے جس کے یہ لائق ہیں اور ہر ایک دوسرے سے افضل ہے مثلا دشمن سے دوبدو ہو تو تلوار اور اگر فاصلہ ہو تو نیزہ اور اگر دور ہو تو تیر ہے جس چیز سے بھی دشمن پر حملہ ہو سکے یہ مختلف حالات میں مختلف ہتھیاروں سے ہوتا ہے لہذا کبھی تلوار زیادہ مفید ہوتی ہے کبھی نیزہ تو کبھی تیر یہ مجاہدین کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ (مجموع الفتاوی :٢٨/٨-١٢)

(وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ ......) اس آیت کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب یہ لوگ مرتبہ ومنزلت میں دوسروں کے برابر نہیں ہیں اس پر تین احکام مرتب ہوتے ہیں:

① غنیمت وفیئ میں بھی ان کا حق نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ان کو دعوت دو کہ اپنے گھروں سے دارالہجرت کی طرف دعوت دو اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بتاؤ کہ جو مہاجرین کو ملے گا وہ تمہیں بھی ملے گا اور جو کچھ مہاجرین پر (ذمہ داریاں) ہوں گی وہ ان پر بھی ہوں گی۔اگر یہ انکار کردیں تو ان سے کہو کہ ان کا حکم اعراب کا ہوگا ان پر اللہ کا وہی حکم لاگو ہوگا جو (اعراب) مومنین کے لیے ہے ان کا غنیمت وفیئ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد نہ کرلیں۔

② دیہات والوں کی شہر والوں کے لیے گواہی ساقط ہوگی اس لیے کہ اس میں اتہام ثابت ہوگا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے کہ وہ ہر اتہام کا لحاظ سے نہیں کرتے ان کے نزدیک تمام مسلمان عادل ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ نے عادل ہونے کی صورت میں جائز قرار دی ہے یہ صحیح ہے۔

اللہ نے اعراب کی تین اوصاف بیان کی ہیں:

۱۔ کفر ونفاق۔

۲۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں۔

۳۔ اللہ وآخرت پر ایمان اور جو کچھ خرچ کریں اسے اللہ کی قربت اور رسول ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھیں۔

جس میں یہ صفات ہوں ان کی شہادت قبول کرنا ممکن نہیں ہے اسے پہلی اور دوسری کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔جبکہ تیسری۔ان کی امامت شہر والوں کے لیے ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جمعہ نہیں پڑھتے اور سنت سے ناواقف ہیں ابومجلز رحمہ اللہ نے دیہاتی کی امامت کو ناپسند کیا ہے۔مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں اگرچہ بہترین قرات کرتا ہو مگر امامت نہیں کرے گا۔سفیان ثوری۔شافعی۔اسحاق

اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ کہتے ہیں دیہاتی (اعرابی) کے پیچھے نماز جائز ہے ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ نماز کی حدود قائم کرتا ہو۔(تفسیر قرطبی:۸/۲۳۲)

شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:(وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ......) کا مطلب ہے اگر یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں جانا چاہتے ہیں اگر اس دعوی میں یہ سچے ہوتے تو یہ اس کی تیاری کبھی ترک نہ کرتے جس طرح کہ مومنین تیاری ترک نہیں کرتے ۔مگر یہ لوگ نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے اس لیے زادراہ اسلحہ اور سواری کا انتظام نہیں کیا۔اللہ نے ان کا جانا پسند نہیں کیا اس لیے یہ نکل نہ سکے ۔انہیں شیطان نے کہا بیٹھے رہو یا ایک دوسرے کو انہوں نے ایسا کہا کسی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے میں آ کر ان سے کہا کہ بیٹھے رہو۔مع القاعدین سے مراد معذور ہیں ۔نابینا۔لنگڑا۔مریض۔بچے۔عورتیں اس میں ان کے لیے بہت شرمندگی ورسوائی ہے۔(فتح القدیر:۲/۳۶۶)

(وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ......) کے بارے میں آلوسی کہتے ہیں:یہ تمام مسلمانوں کو خطاب کہ یہ سب کی ذمہ داری ہے کہ ان دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار رکھو جنہوں نے عہد توڑا ہے یا تمام کفار مراد ہیں یہ زیادہ بہتر ہے۔(مِّنْ قُوَّةٍ) میں ہر طاقت شامل ہے جو دشمن سے بچاؤ اور ان کی شکست میں معاون ہو یہ اس لیے کہا کہ بدر میں مکمل تیاری نہیں تھی تو انہیں بتایا کہ بغیر تیاری کے ہر وقت مدد و فتح نہیں آتی اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:کہ قوت سے مراد ہر قسم کا اسلحہ ہے ۔عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:رسیاں اور گھوڑے ہیں ایک روایت میں ہے نر گھوڑے۔پھر الرمی والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دور میں تیر کمان کے ذریعے دشمن سے جنگ کرنا مقصد کے حصول میں مفید نہیں ہے۔اس لیے کہ وہ بندوق اور توپ استعمال کر رہے ہیں ان کے مقابلے میں تیر کمان کچھ بھی نہیں۔اگر ان کا مقابلہ انہی کے ہتھیاروں کی

طرح ہتھیاروں سے نہیں ہوگا تو وہ غالب آجائیں گے۔لہٰذا مسلمان عوام اور حکمرانوں پر ہر قسم کی تیاری لازم ہے۔تیر کا ذکر دفاع میں مفید ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے میرے خیال میں اس وجہ سے اس کو جنت میں جانے کا سبب کہا گیا ہے یہ تیراندازی اللہ کے فرمان: **وَ اَعِـــــــدُّوْا لَهُمْ**...... کے عموم میں شامل ہے۔(روح المعانی :۲/ ۱۱۰)

جب جنگ کی طاقت نہ ہو تو تیاری واجب ہے اس لیے کہ جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوسکتی وہ واجب ہوتا ہے۔(ابن تیمیہ مجموع الفتاوی:۲۸/۲۵۹)

ایمانی تربیت و تیاری بنیادی اہمیت کی حامل ہے مدد و فتح کے لیے اور معصیت شکست و ذلت کا سبب ہے چند فوجیوں کی معصیت بعض دفعہ پوری فوج کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

سوال کیا تیاری کی وجہ سے جہاد کو موخر کیا جاسکتا ہے؟

جواب نصوص شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کو موخر نہیں کیا جاسکتا خاص کر ایمانی تیاری کی وجہ سے جب جہاد فرض عین ہو خاص کر اس صورت میں کہ کفار نے مسلم علاقے اور ملک پر حملہ کر دیا ہو یا کافر حکمران مسلط ہو بغیر شریعت الٰہی کے حکومت کر رہا ہو۔آج کل اکثر مسلم مما لک کی یہی حالت ہے ۔اس طرح کا جہاد فرض عین ہے اس میں تاخیر بہت بڑے فساد کا سبب بن سکتا ہے۔اس لیے کہ مسلمان مما لک پر کفار کے غلبے و قبضے سے بڑھ کر فتنہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ مختلف حیلوں بہانوں سے انہیں دین سے روکا جارہا ہو۔اور مسلمان مما لک کے وسائل غیر مسلموں کے حوالے کیے جارہے ہوں۔ایسے میں جہاد کو مؤخر قرار دینے والے ان شرعی نصوص کی مخالفت کرتے ہیں جن میں قیامت تک جہاد جاری رہنے کا کہا گیا ہے۔یہ شخص شاید یہ جانتا نہیں کہ کفار مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو کسی طرح اسلام سے برگشتہ کرلیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیں۔یہ ترغیب و ترہیب دینے والے مجرمین (جو جہاد کو مؤخر کرنا چاہتے ہیں) یہ

لوگوں پر اپنے وسائل وذرائع کے ذریعے سے اثر انداز ہو رہے ہیں ان کی کوششوں کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا دین بگڑتا جا رہا ہے کچھ بزور طاقت کچھ روپیہ پیسہ کی لالچ میں سچ فرمایا اللہ نے:وَ لاَ یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (بقرہ:۲۱۷)۔یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں دین سے برگشتہ کرلیں اگر ان کے بس میں ہو۔اورفرمان ہے:وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَ لاَ النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ (بقرہ:۱۲۰)۔کبھی بھی یہود ونصاری تم سے خوش نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی اتباع نہ کرلو۔

ان کفار نے تربیت صالحہ کا ہر راستہ اور ذریعہ مسدود کردیا ہے اب صرف صالح تربیت کی صورت رہ گئی ہے فائدہ اور مقصد غائب ہے اسی لیے اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَوْ لاَ دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ(حج:۴۰)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ دباتا یا ہٹاتا تو عبادت گاہیں ،گرجائیں اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اللہ قوت والا غالب ہے۔

اگر اللہ مجاہدین کے ذریعے کفار کو نہ دباتا تو کوئی بھی اللہ کی عبادت کی جگہ صحیح سلامت نہ رہتی ۔قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:اگر اللہ انبیاء ومومنین کے لیے دشمنوں کا قتل جائز قرار نہ دیتا تو اہل شرک کا غلبہ ہوجاتا اور وہ عبادات کے مقامات برباد کردیتے لیکن اللہ نے قتال واجب کردیا تاکہ عبادت خانے اور شریعت محفوظ رہیں۔قتال کی اللہ نے اجازت دے دی اور پھر فرمایا کہ اگر:(لَوْ

لاَ دَفْعُ اللهِ ......)لوگوں کے ذریعے لوگوں کو نہ دبایا جاتا تو ہر امت میں اہل حق پر کچھ لوگ غالب آجاتے نصاریٰ اور صائبین میں سے جو جہاد سے انکار کرتا ہے وہ اپنے مذہب کا مخالف ہے۔اس لیے اگر جہاد نہ ہوتا تو دین بھی باقی نہ رہتا۔ان مذاہب کی تعلیمات میں تحریف سے قبل جہاد کے احکام ان میں موجود تھے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کنیسا ،عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع وبیع اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں مسمار ہوجاتیں۔ابن عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:اس آیت کی یہ تفسیر سب سے بہترین ہے۔(قرطبی:١٢/٧٠،بیضاوی:٤/١٢٩،فتح القدیر:٣/٤٥٧)

(زادالمیسر :١/٣٠٠)اسی مضمون کی آیت یہ بھی ہے:

وَ لَوْ لاَ دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ(بقرہ:٢٥١)

اگر اللہ لوگوں کے ذریعے لوگوں کو نہ دباتا تو زمین میں فساد ہوجاتا لیکن اللہ جہاں والوں پر فضل کرنے والا ہے۔

اس کا معنی ہے کہ اللہ کافروں کو مومنوں اور ظالموں کو عادلوں اور مفسدین کو اہل الصلاح کے ذریعے دباتا ہے اگر ایسا نہ ہوتو کفر وفساد غالب آجاتا ہے اپنے فساد سے یہ لوگ زمین کو بھر دیتے ہیں ایسے میں مومن اور صالح لوگ نہ رب کی عبادت کر پاتے نہ دین کی دعوت دے سکتے۔(قرطبی:٣/٢٦٠،ابن کثیر:٢/٦٣٣،ابی السعود:١/٢٤٥)

اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ نے مجاہدین کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے اپنے مال اور جانیں اللہ کی محبت میں اس کے دین کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ میں دشمنوں کو ہٹانے اور دبانے میں قربان کردی ہیں۔اب یہ ان لوگوں کے ساتھ اجر میں شریک ہیں جو دین کا دفاع اپنی تلواروں سے

کررہے ہیں اگرچہ یہ لوگ اب گھروں میں بیٹھے رہیں ان کو جہاد کی وجہ سے اب عبادت گزاروں کا ثواب ملے گا کہ ان مجاہدوں کی وجہ سے وہ عبادت کر سکتے ہیں اللہ نے سبب بننے والے عمل کو کرنے والے کے برابر قرار دیا ہے اسی لیے اچھائی یا برائی کی طرف دعوت دینے والے بھی عمل کرنے والوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں(طریق الھجرتین:۵۵۳) ۔یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایمانی تیاری وتربیت ہر وقت کی جاسکتی ہے جہاد شروع ہونے سے پہلے یا دوران یا بعد میں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ عبادت میں موت آنے تک مشغول رہیں:وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ(الحجر:۹۹)۔اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے ۔بہتر تربیت وہ ہے جو دورن جہاد ہو جب لوگوں کو اللہ کا قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے عہد میں کچھ سپاہیوں یا فوجی سربراہوں کی وجہ سے تربیت کے بغیر جنگ کرنے کی مخالفت ہوئی مگر آپ ﷺ نے ان کی وجہ سے جہاد کو موقوف نہیں کیا بلکہ ان کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور منکر سے روکا اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنوجذیمہ کی طرف بھیجا وہ لوگ اسلمنا کا لفظ صحیح طرح ادا نہ کرسکے وہ صبأ ناصبأ نا کہتے تھے خالد نے انہیں قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کیا اور ہر ایک کو ہم میں سے ایک قیدی دیا کہ اسے قتل کرو میں نے کہا میں اپنے حصے کے قیدی کو قتل نہیں کروں گا۔اس بات کا ذکر ہم نے نبی ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:یا اللہ میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں(بخاری)۔خالد رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو(غلطی سے)قتل کرکے مخالفت کی اس لیے نبی ﷺ نے ان لوگوں کی دیت ادا کی ان کے اموال نہیں لیے۔مگر نبی ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو نہ اس کے عہدے سے معزول کیا نہ انہیں فوج سے نکالا نہ ہی

اس فعل کی وجہ سے جہاد کوموقوف کیا بلکہ ان لوگوں شرعی ذمہ داری تحت دیت دی اور خالد رضی اللہ عنہ کی غلطی پر سرزنش کی ۔(ابن کثیر: ۱/ ۵۳٦)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ بھیجا ان پر ایک انصاری کو امیر بنایا اور انہیں اس کی اطاعت کا حکم دیا امیر کو کسی بات پر غصہ آیا اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری اطاعت کا حکم دیا ہے لکڑیاں جمع کرو اس میں آگ لگاؤ جب انہوں نے آگ جلائی تو امیر نے کہا اس میں کود جاؤ ۔لوگوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ آگ بجھ گئی جب اس بات کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ س میں کود جاتے تو قیامت تک باہر نہیں آتے اطاعت معروف میں ہے۔(بخاری مسلم)

امیر نے لوگوں کو آگ میں کودنے کا حکم دیا اور یہ معصیت تھی اپنا خون ناحق تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو موقوف نہ کیا نہ ہی اس کو فوج سے نکالا تا کہ یہ تربیت مکمل کر کے پھر آئے ۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کا نگراں بنایا جس کا نام کرکرہ تھا جب وہ مر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔ جب لوگوں نے تحقیق کی پتہ چلا کہ اس نے مال میں سے ایک جبہ چوری کیا ہے(بخاری۔مسلم۔ترمذی)۔اس آدمی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھروسہ کیا مگر یہ نفس کے بہکاوے میں آ گیا مگر اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کی تربیت کی تکمیل تک جہاد کو موقوف نہیں کیا یا کچھ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے مجاہدین کو نہیں روکا۔اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کسی غزوہ میں لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود ایک آدمی کو قتل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور اسامہ بھی بہت شرمندہ ہوئے پچھتائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہاد سے نہیں روکا بلکہ آخری لشکر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا اس کا امیر اسامہ رضی اللہ عنہ کو ہی بنایا۔اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے لیے بھیجا میں نے اور ایک انصاری نے جب ایک آدمی پر قابو پایا تو اس

نے کلمہ پڑھ لیا مگر میں نے اسے نیزہ مارا وہ مرگیا۔ جب نبی ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے باوجود تم نے اسے ماردیا؟ میں نے کہا وہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ مسلسل یہ بات دہراتے رہے میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (بخاری۔مسلم۔احمد)

اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی غلطیاں ہوئی ہیں مگر نبی ﷺ نے انہیں جہاد سے نہیں روکا نہ جہاد موقوف کیا تاکہ قوم تربیت مکمل کرے۔ بلکہ غلطی پر آپ ﷺ نے سرزنش کی اور نصیحت کرلی۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئے تھے ہوا یوں کہ بنوتمیم کا قافلہ آیا تو عمر وابوبکر رضی اللہ عنہما میں سے ایک نے اقرع بن حابس اور دوسرے نے ایک اور آدمی کے بارے میں رائے دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تم ہمیشہ میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہ نہیں چاہا۔ دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی: ایمان والو اپنی آوازیں مت بلند کرو (بخاری)۔ واصل الاحدب معرور سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چادر دیکھی اور ان کی غلام کے پاس بھی۔ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا اگر آپ یہ چادر بھی لے لیتے تو جبہ بن جاتا اس کے بدلے غلام کو کوئی اور کپڑا دے دیتے؟ انہوں نے کہا کہ: میرا ایک آدمی سے جھگڑا ہوا اس کی ماں عجمیہ تھی میں نے اس کے بارے میں کچھ نازیبا باتیں کیں تو رسول ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو گالیاں دی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کو بھی؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تم میں جاہلیت ہے۔ یہ تمہارے بھائی ہیں جو اللہ نے تمہارے ماتحت کیے ہیں اگر اللہ نے کسی کے ماتحت کسی کو کیا ہے تو اسے وہی کھانا اور لباس دے جو تو خود استعمال کرتا ہو اور اس پر کام کا زیادہ بوجھ نہ ڈالے اگر کام

زیادہ ہوتو خود بھی اس کا ساتھ دے۔(بخاری۔ترمذی)

اسی طرح کی غلطی واقعہ افک میں بھی ہوئی۔عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: کہتی ہیں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ میں جاتے تو قرعہ اندازی کرتے جب کسی بیوی کا قرعہ نکل آتا اسے لیجاتے۔ایک قرعہ اندازی میں میرا نام نکل آیا اوراس وقت پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا مجھے ہودج میں بٹھایا گیا ہم چل پڑے۔جب غزوہ سے فارغ ہوکر واپس آنے لگے تو مدینہ کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا رات کو کوچ کا حکم ہوا میں قضائے حاجت کے لیے دور چلی گئی تھی جب واپس آئی تو میرا ہار گم ہوگیا تھا میں دوبارہ اسے تلاش کرنے کے لیے چلی گئی اس کی تلاش میں دیر ہوگئی ادھر لوگوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھا وہ سمجھے اسمیں میں ہوں اس وقت عورتیں کم وزن تھیں لوگ روانہ ہوگئے۔جس نے تہمت لگائی تھی وہ عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ہم مدینہ آگئے میں اس کی وجہ سے ایک ماہ بیمار رہی اور میں نے محسوس کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری طرف نہیں ہے جو پہلے تھی ایک دفعہ میں اور ام مسطح رضی اللہ عنہا نکلیں رات کو (قضائے حاجت کے لیے) کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا کا پاؤں پھسل گیا تو اس نے کہا مسطح ہلاک ہو۔میں نے کہا ایک بدری آدمی کے بارے میں تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔اس نے کہا وہ تمہارے بارے میں اس طرح کی باتیں کرنے والوں میں شامل ہے۔پوراواقعہ اس نے مجھے بتادیا......رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ:اس آدمی کی ذمہ داری کون لیتا ہے جس نے میری بیوی کے بارے میں تکلیف دی اور ایسے آدمی کے بارے میں بات کی جسے میں بہتر جانتا ہوں اور وہ میرے ساتھ ہی میرے گھر جاتا ہے ورنہ نہیں ۔سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا ذمہ لیتا ہوں اگر وہ (ہمارے قبیلے)اوس کا ہے تو میں اس کی گردن ماروں گا اور اگر خزرج کا ہے تو آپ حکم کریں ہم وہی کریں گے ۔خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے حالانکہ نیک آدمی تھے مگر قبیلے کی حمیت آ گئی

کہا تم اسے قتل نہیں کر سکو گے۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا ہم اسے ضرور قتل کریں گے تم منافق ہو اس لیے منافقوں کی حمایت کر رہے ہو۔ اوس اور خزرج قبیلوں میں جھگڑے کی نوبت آ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تو وہ سب خاموش ہو گئے...... یہاں تک کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل ہوئی اور جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ اللہ کی حمد بیان کرو اس نے تمہیں بری کر دیا ہے۔ میری ماں نے مجھے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں کھڑی نہیں ہوں گی اور تعریف و حمد بھی صرف اللہ کی کروں گی۔ آیت نازل ہوئی۔ **اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ** (نور:۱۱) جب میری بریئت نازل ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچ دیتے تھے نے کہا کہ: اب سے کچھ نہیں دیا کروں گا کہ اس نے عائشہ کے بارے میں یوں کہا ہے۔ اللہ نے یہ آیت نازل کر دی: **وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَ السَّعَۃِ** (نور:۲۲)۔ (بخاری۔ مسلم۔ طبرانی۔ احمد۔ ابن حبان۔ بھیقی)

کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم زنا اور چوری میں بھی ملوث ہوئے جس کی وجہ سے حد کے مستحق قرار پائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے کہ ایک آدمی نے آ کر پکارا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اس نے پھر سامنے آ کر یہ بات کی اس طرح چار مرتبہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تم پاگل ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لیجا کر سنگسار کر دو۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا ہم نے اسے عید گاہ میں سنگسار کیا۔ (بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ احمد)

ایک غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ذریعے کرتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں تھے ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جہنمی

ہے وہ آدمی قتال میں اچھی طرح لڑتا رہا۔زخمی ہوا اور زخموں کو برداشت نہ کرسکا رات کو اپنے آپ کو قتل کردیا۔آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا اعلان کردو کہ جنت میں صرف مسلمان روح داخل ہوگی اور دین کی مدد اللہ کبھی فاجر سے بھی کرالیتا ہے۔(بخاری۔مسلم)

عبداللہ بن صفوان کہتے ہیں: میرے باپ نے بتایا کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ ایک آدمی نے میرے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی میں نے اسے پکڑ کر رسول ﷺ کے سامنے پیش کردیا آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ میرا یہ مقصد نہیں تھا یہ چادر میں اس کو صدقہ دیدیتا ہوں۔رسول ﷺ نے فرمایا: میرے پاس لانے سے پہلے تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔(نسائی۔ابوداؤد)

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک عورت نے چوری کی غزوہ فتح میں تو اس کی قوم گھبرا گئی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس آئی کہ نبی ﷺ سے سفارش کردیں جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ کی مقرر کردہ حد میں تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول میں معافی چاہتا ہوں۔جب صبح ہوئی تو رسول ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوگئے کہ جب معزز خاندان کا فرد جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور غریب کرتا تو اس پر حد جاری کردیتے۔اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی توبہ بہت اچھی قرار پائی۔اس نے بعد میں شادی کرلی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں وہ میرے پاس آتی تھی تو میں اس کی بات حاجت، درخواست رسول ﷺ تک پہنچاتی تھی۔(بخاری۔مسلم۔ترمذی۔نسائی۔ابوداؤد)

ایمانی تربیت جہاد کے دوران بھی جاری رہ سکتی ہے مگر جہاد کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا جو لوگ جہاد

کوتربیت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مؤخر کرنے کی بات کرتے ہیں وہ اسے مکمل ترک کرنا چاہتے ہیں جو کام قرون فاضلہ میں نہیں ہوا تو بعد کے زمانے اس سے بہتر تو نہیں نہ ہی یہ معصوم ہیں نبی ﷺ کا فرمان ہے: جو بھی زمانہ آئے گا وہ پہلے کی بنسبت برا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلو۔(بخاری)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر کمزوری ولاچارگی کی وجہ سے جہاد نہیں کرسکتے تو اس کی تیاری تو کرلیا کریں تاکہ کافر حکمرانوں سے جہاد کی استطاعت حاصل ہوسکے۔مسلمانوں کو ان بیٹھے رہنے والوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو غلط راہ اختیار کرتے ہیں (جہاد کو ترک کرکے) اور کہتے ہیں کہ شرعی وقانونی طریقہ ہے (حقوق حاصل کرنے یا دین کے غلبے کا) جیسا کہ طاغوتی اسمبلیوں میں جاکر لوگوں کے لیے غیر شرعی قوانین بنانا۔ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ یہ اسمبلیاں اللہ کے علاوہ الٰہ کی مجالس ہیں اللہ نے جس تیاری کا حکم دیا ہے اس میں آدمیوں کو تیار کرنا ،ایمانی تربیت،عمل صالح ،شجاعت ،قربانی ،سمع واطاعت وغیرہ سب شامل ہیں اسی طرح اس میں فوجی تربیت اسلحہ کی تربیت بھی شامل ہے بلکہ لازم ہے۔واللہ اعلم

مسئلہ حاکمیت سے متعلق ہماری گزارشات مکمل ہوئیں۔

والحمدللہ.وصلی اللہ علی محمد وسلم

مترجم:عبدالعظیم حسن زئی

مدرس جامعہ ستاریہ اسلامیہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

website:http://www.muwahideeh.tk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ سلفیۃ خالصۃ



ابی عمرو عبدالحکیم حسان حفظہ اللہ

ترجمہ: عبدالعظیم حسن زئی حفظہ اللہ

website : http://www.muwahideen.tk

Email: info@muwahideen.tk

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

فہرس